سورۂ بقرہ

مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس میں دو سو تاسی آیتیں ہیں

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ما نزلت سورۃ البقرۃ والنساء الا وانا عندہ۔ (بخاری) سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء ایسی حالت میں نازل ہوتے رہے کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (ہر وقت حاضر رہا کرتی تھی)۔

سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ اس سورت شریفہ میں چونکہ بقرۂ بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس لئے محض شناخت اور امتیاز کے مدنظر اس کا نام سورۂ بقرہ رکھا گیا۔ اس پر کفار نے استہزاء شروع کیا کہ یہ گائے کا سورہ ہے آل عمران کا سورہ ہے عورتوں کا سورہ ہے۔ تو اس پر سورہ بقرہ کہنے کی ممانعت کی گئی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تقولوا سورۃ البقرۃ ولا سورۃ آل عمران ولا سورۃ النساء وکذالک القرآن کلہ ولکن قولوا

السورۃ التی تذکر فیھا البقرۃ والسورۃ التی یذکر فیھا آل عمران وکذلک القرآن کلہ (ابن الضریس، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) سورۂ بقرہ نہ کہا کرو اور نہ سورۂ آل عمران یا سورۂ نساء کہا کرو۔ اور اسی طرح قرآن کریم کی دوسری سورتوں میں مثلاً سورۂ عنکبوت، نمل، نحل، ہدہد، فیل وغیرہ) نہ کہو بلکہ یوں کہو وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے آل عمران کا ذکر ہے۔ نساء کا ذکر ہے۔ اور یہی طریقہ قرآن پاک کی دوسری تمام سورتوں میں بھی جاری رکھو" نیز حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

لا تقولوا سورۃ البقرۃ ولکن قولوا السورۃ التی تذکر فیھا البقرۃ۔ (بیہقی)

سورۂ بقرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو وہ سورہ جس میں بقرہ کا بیان ہے" گویا یہ کلمہ سورۃ البقرہ کی تفسیر ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ یہاں محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:۔ السورۃ التی یذکر فیھا البقرۃ۔ اس کے بعد جب نور اسلام پھیلتا گیا اور اسلامی دھاک کفار کے دلوں پر بیٹھتی گئی تو کفار نے استہزاء چھوڑ دیا اور یہ ممانعت بھی برخاست ہو گئی۔ اور عام طور پر سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران وغیرہ کہا جاتا رہا۔ آئندہ احادیث شریفہ میں اس کی صراحت ملے گی۔ اسی وجہ سے ہم نے عنوان میں سورۂ بقرہ ہی لکھا ہے۔

سورہ بقرہ کے دوسرے نام | سورۂ بقرہ کے اور بھی نام ہیں۔ ایک نام فسطاط القرآن ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

السورة التی یذکر فیھا البقرۃ فسطاط القرآن (دیلمی) وہ سورت شریفہ جس میں گائے کا ذکر ہے فسطاط القرآن ہے "یعنی قرآن کا ڈیرہ اور خیمہ۔ یہ نام اس بنا پر ہے کہ یہ سورت شریفہ قرآن کریم کی دوسری تمام سورتوں سے بڑی سورت ہے۔ حضرت خالدین معدان سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے (دارمی) یعنی یہ کہ فسطاط القرآن کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہیں بلکہ حضرت خالد بن معدان کا قول ہے۔ اور ایک نام سنام القرآن ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان لکل شیئی سناما وان سنام القرآن البقرۃ۔ (سعید بن منصور، ترمذی، محمد بن نصر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) ہر چیز کا ایک کوہان (بلند تر حصہ) ہوتا ہے اور قرآن کریم کا بلند تر سورۂ سورہ بقرہ ہے۔" ایک نام ذروۃ القرآن ہے جیسا کہ حضرت معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ البقرۃ سنام القرآن وذروتہ نزل مع کل آیۃ منھا ثمانون ملکا۔ (امام احمدؒ محمد بن نصر طبرانی بسند صحیح) بقرہ قرآن کا کوہان اور اس کی چوٹی ہے۔ اس کی ہر ایک آیت کے ساتھ اسّی فرشتے اترتے رہے۔" یہ نام بھی سورۂ بقرہ کی عظمت کے اعتبار سے ہے۔ سورۂ بقرہ کو افضل القرآن بھی کہا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

ہے:۔ افضل القرآن سورۃ البقرۃ۔ (وکیع' حرث بن ابی اسامہ محمد بن نصر ابن الضریس بسند صحیح) قرآن کریم کی زیادہ تر فضیلت رکھنے والی سورت' سورہ بقرہ ہے" نیز حضرت ربیعہ جرشیؓ سے مروی ہے:۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای القرآن افضل قال السورۃ التی یذکر فیھا البقرۃ (بغوی' ابن عساکر) حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات وازکی التسلیمات سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کریم کی کونسی سورت زیادہ تر فضیلت رکھتی ہے تو فرمایا کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا بیان ہے" سورۂ بقرہ اور سورہ آل عمران کو "زہراوین" سے بھی یاد فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے صراحت آرہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ناموں کی کثرت' اس کی فضیلت اور برتری کی دلیل ہے۔

سورۂ بقرہ کی سماعت کا اشتیاق ملائکہ کرام کو

سورۂ بقرہ کی جیسی فضیلت زیادہ ہے اس کے فضائل بھی بکثرت ہیں ان میں سے یہاں چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں جن سے سورہ بقر کی اہمیت ظاہر ہوگی حضرت اُسید بن حضیرؓ خود اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔ بینما ھو یقرأ من اللیل سورۃ البقرۃ وفرسہ مربوطۃ عندہ اذ جالت الفرس فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت الفرس فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت

فانصرف الی ابنه یحیی وکان قریبا منها فاشفق ان تصیبه فلما اخذه رفع رأسه الی السماء فاذا هو بمثل الظلة فیها امثال المصابیح عرجت الی السماء حتی ما یراها۔ وہ ایک رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کے پاس ہی ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اتنے میں گھوڑا کودنے لگا۔ انھوں نے پڑھنا موقوف کر دیا تو وہ بھی سکون کے ساتھ رہا۔ پھر انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ بھی اچھلنے لگا پھر یہ خاموش ہو گئے تو وہ بھی خاموش کھڑا رہا۔ پھر یہ پڑھنے لگے تو وہ پھر اچھلنے لگا۔ پھر یہ پڑھتے رہے اور وہ کودتا رہا۔ یہ حال دیکھ کر وہ اپنے فرزند یحیی نامی کے پاس گئے جو گھوڑے کے قریب ہی (سو رہے) تھے۔ ان کو ڈر ہوا کہ کہیں بچے کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ فوراً جاکر بچے کو اٹھا لیا۔ اتفاقاً اس وقت آسمان کی طرف سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سائبان سا یہ فگن ہے اور اس میں چراغاں کی طرح روشنی ہے۔ پھر وہ سائبان اور روشنی آسمان کی طرف اٹھالی گئی اور ان کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

حضور اقدس کا حقیقت حال سے آگاہ فرمانا

فلما اصبح حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدری ما ذاک قال لا یا رسول اللہ قال تلک الملائکة دنت لصوتک ولو قرأت لاصبحت تنظر الناس الیها لا تتواری منهم۔ (ابو عبید)

امام احمد بخاری تعلیقاً مسلم، نسائی، حاکم، ابونعیم بیہقی) صبح ہوئی تو سارا قصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ———— اس کی حقیقت کیا ہے؟ تمھیں کچھ معلوم ہے؟ تو حضرت اسید بن حضیرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں کچھ نہیں جانتا۔ ارشاد ہوا کہ وہ فرشتے تھے۔ تمھاری قراءت کی آواز سننے کے لئے تمھارے پاس آگئے تھے۔ اور اگر تم اپنی قراءت (صبح تک) جاری رکھتے تو تمام لوگ اس کو دیکھتے اور یہ صورت حال ان پر بھی عیاں ہوجاتی۔"

مضمون بالا کی تائید حضرت محمد بن جریرؒ فرماتے ہیں: — انّ اشیاخ اھل المدینۃ حدثوہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ الم تر ان ثابت بن قیس بن شمّاس لم تزل دارہ البارحۃ تزھر مصابیح قال فلعلہ قرأ سورۃ البقرۃ فسئل ثابت فقال قرأت سورۃ البقرۃ۔ (ابوعبید)

مدینہ پاک کے کئی ضعیف العمر اصحاب نے ان سے بیان کیا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کیا آپ کو اس کی خبر نہیں دی گئی کہ گذشتہ رات ثابت بن قیس بن شماسؓ کا مکان چراغاں سے جگمگا رہا تھا؟ اس پر آپ نے فرمایا شاید انھوں نے سورہ بقرہ پڑھا ہوگا۔ پھر ثابتؓ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا

میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہا تھا" اس روایت سے حضرت اسید بن حضیرؓ کے واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔ نیز اس سورت شریفہ کو سورۂ بقرہ کہنے کا جواز پایا جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی بدولت استحقاق امارت

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثا وھم ذو وعدد فاستقرأھم فاستقرأ کل رجل منھم یعنی ما معہ من القرآن فاتی علی رجل منھم من احدثھم سناً قال ما معک یا فلان قال معی کذا وکذا وسورۃ البقرۃ قال امعک سورۃ البقرۃ قال نعم قال اذھب فانت امیرھم۔ حضور رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمان نے ایک لشکر روانہ فرمایا ان کی معقول تعداد تھی۔ پھر ان سے قرآن کریم پڑھواتے رہے چنانچہ ان میں کے ہر ایک شخص سے پڑھوایا (تا معلوم ہوسکے کہ) کس کو کتنا یاد ہے یا کتنا سیکھا ہے؟ (سلسلہ بسلسلہ) ان میں سے ایک شخص کی نوبت آئی جو سب سے کم عمر تھا۔ اس سے فرمایا کہ اے شخص! تیرے ساتھ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرے ساتھ فلاں فلاں سورتیں ہیں اور سورۂ بقرہ بھی ہے۔ ارشاد مبارک ہوا کیا تمہارے ساتھ سورۂ بقرہ ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بس تو جاؤ۔ تم ہی ان سب کے امیر ہو"

سورۂ بقرہ کے سیکھنے کی ترغیب

فقال رجل من اشرافھم واللہ ما منعنی ان اتعلم سورۃ البقرۃ الا خشیۃ ان لا اقوم بھا فقال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تعلّموا القرآن واقرأوہ فانّ مثل القرآن لمن تعلّمہ فقرأہ وقام بہ کمثل جراب محشوّ مسکا یفوح ریحہ فی کل مکان ومثل من تعلّمہ فیرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب أوکی علی مسک۔ (ترمذی اسناد حسن، نسائی، ابن ماجہ، محمد بن نصر مروزی، ابن حبان، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) یعنی کران میں کے ایک سربرآوردہ شخص نے عرض کیا کہ بخدا! سورۂ بقرہ کو سیکھنے سے مجھے جس چیز نے باز رکھا وہ یہی اندیشہ تھا کہ میں اس کا حق ادا نہ کر سکوں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اس کو پڑھتے رہو کیونکہ اس کی مثال جو اس کو سیکھتا پھر اسکو پڑھتا اور اس کا حق ادا کرتا رہتا ہے اس کیسہ کی طرح ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہے اور ہر جگہ اس کی خوشبو پھیلتی جاتی ہے۔ اور اس کی مثال جو اس کو سیکھ کر بھی سوتا پڑا رہتا ہے اور قرآن اس کے سینہ میں ہے ایسے کیسہ کے مانند ہے جو مشک سے بھرا ہوا تو ہے لیکن اس کا منہ بند ہے۔" اس وجہ سے اس کی خوشبو پھیلنے نہیں پاتی۔ مطلب یہ کہ نہ سیکھنے سے سیکھنا اچھا ہے اور محض سیکھ لینے سے اس کو (راتوں کو تہجد میں) پڑھتے رہنا اور اس کا حق ادا کرنا (یعنی اس پر عمل کرنا) اس سے بھی بہت ہی اچھا ہے۔ نورٌ علی نور۔

مضمونِ صدر کی تائید حضرت عثمان بن ابی العاصؓ فرماتے ہیں:۔ استعملنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اصغر الستۃ الذین وفدوا علیہ من ثقیف وذلک

انی کنت قرأت سورۃ البقرۃ۔ (بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عامل (حاکم) مقرر فرمایا درحالیکہ جب ان چھ اشخاص میں سب سے چھوٹا تھا جو قبیلہ ثقیف سے بطور وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ اور یہ تقرر محض اس بنا پر تھا کہ میں سورۂ بقرہ پڑھ چکا تھا"۔ ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ حکومت اور امامت اہل علم کا حق ہے سن و سال کا اعتبار نہیں اور نہ سربرآوردہ ہونے کا اعتبار ہے۔ حکومت کے لئے لیاقت چاہیے۔ ع۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ یہ بھی مشہور ہے: ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا قط۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی بے علم اور نادان کو ولی نہیں بنایا"۔ اگر ولایت کسی کو عنایت بھی ہوئی تو اس کو نادان نہ رکھا دولت علم سے بھی سرفرازی بخشی۔

داد حق را قابلیت شرط نیست		بلکہ شرط قابلیت داد اوست

سورہ بقرہ کو پڑھتے رہنے کی تاکید

حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے: اقرأوا القرآن فانّہ یاتی یوم القیامۃ شفیعا لاصحابہ۔ اقرأوا الزھراوین سورۃ البقرۃ وسورۃ آل عمران فانّھما یأتیان یوم القیامۃ کانّھما غیابتان اوکانّھما غمامتان اوکانّھما فرقان من طیر صواف یحاجّان عن صاحبھما اقرأوا سورۃ البقرۃ فانّ اخذھا برکۃ وترکھا حسرۃ ولا

تستطیعها البطلة۔ (ابو عبیدؒ، امام احمدؒ، حمید بن زنجویہ، مسلمؒ، ابن الضریس، ابن حبان، طبری، ابو ذر الہروی، حاکم، بیہقی) قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ اپنے ساتھیوں کی شفاعت کرے گا۔ دو روشن سورتوں یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو پڑھا کرو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن سایہ فگن ہوں گے گویا کہ وہ دو طاق ہیں چھپا دینے والے یا دو ابر کے ٹکڑے ہیں یا دو صف بستہ پرندوں کے جھنڈ ہیں۔ یہ دونوں اپنے ساتھی کی طرف سے بحث کرتے ہوں گے۔ (خصوصیت کے ساتھ کم از کم) سورۂ بقرہ کو پڑھتے رہو کیونکہ اس کو حاصل کرنا برکت ہے اور اس کو چھوڑے رہنا پچھتاوے کا باعث ہے اور نکمے لوگوں سے ہی یہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ سورۂ بقرہ کو بہ یک وقت پورا نہیں پڑھ سکتے۔

سورۂ بقرہ سے دشوار گزار مراحل طے کرنا

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے یہ بھی مروی ہے:۔ ان اخا لکم اری فی المنام ان الناس یسلکون فی صدر جبل وعر طویل وعلی رأس الجبل شجرتان خضرا وان تهتفان هل فیکم من یقرأ سورة البقرة هل فیکم من یقرأ سورة آل عمران فاذا قال الرجل نعم دنتا منه باعذ اقهما حتی یتعلق بهما فیخطرا به الجبل۔ (ابو عبیدؒ، دارمیؒ) یقین جانو کہ تمہارے ایک بھائی کو (یعنی خود ہی کو) خواب میں دکھایا گیا کہ لوگ ایک دشوار گزار اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے ہیں اور اس پہاڑ کی چوٹی پر دو سرسبز درخت ہیں جو آوازدے رہے ہیں

کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو سورۂ بقرہ پڑھا کرتا ہے۔ کیا تم میں ایسا شخص بھی ہے جو سورۂ آل عمران پڑھا کرتا ہے؟ جب کوئی ایک شخص جواب دیتا ہے کہ ہاں موجود ہے تو ان درختوں کی شاخیں جھک جاتی ہیں اور اس وقت تک جھکی رہتی ہیں تاآنکہ وہ شخص ان سے لپٹ جائے پھر وہ اس کو پہاڑ پر اٹھا لیتے ہیں۔"

سورہ بقرہ سے شیاطین کا دفعیہ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لاتجعلوا بیوتکم مقابر الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ ولفظ الترمذی وان البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ لا یدخلہ الشیطان۔ (امام احمدؒ، مسلم، ترمذی) اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (کہ باہر سے آئے اور لیٹ گئے بلکہ گھر میں بھی کچھ نماز، تلاوت، ذکر وغیرہ جاری رکھو) جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھا جاتا ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور ترمذی کی روایت اس طرح ہے:۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھا جاتا ہے اس میں شیطان داخل ہونے ہی نہیں پاتا۔" اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس گھر میں ذکر الٰہی جاری نہیں رہتا اور یادِ الٰہی سے غفلت برتی جاتی ہے وہاں شیاطین مسلط ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے:۔ خانہ خالی را دیو می گیرد۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں اللہ سبحانہ کی یاد ہوتی رہے گی شیطان وہاں سے بھاگ جائیگا

بلکہ وہاں پھٹکنے ہی نہیں پائے گا۔ اللہ پاک نے سورۂ بقرہ کے لئے اس باب میں خاص تاثیر رکھی ہے۔

حضور اکرمؐ کا شغف سورۂ بقرہ سے

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں:۔ **قمت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ ولا یمر بآیۃ رحمۃ الا وقف فسأل ولا یمر بآیۃ عذاب الا وقف فتعوذ ثم رکع بقدر قیامہ یقول فی رکوعہ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریآء والعظمۃ ثم سجد بقدر قیامہ ثم قال فی سجودہ مثل ذالک ثم قام فقرأ بآل عمران ثم قرأ سورۃ سورۃ۔** (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں ایک رات (نماز تہجد میں) کھڑا ہوگیا۔ آپ نے قیام لیل فرمایا تو (فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی۔ جہاں کہیں کسی آیت میں رحمت کا بیان ہوتا تو آپ توقف فرماتے اور رحمت کی درخواست کرتے اور جہاں آیت عذاب آتی تو آپ وہاں وقفہ کرکے اس سے پناہ مانگتے۔ پھر (جب سورۂ بقرہ اس طرح ختم ہوا تو آپ نے) رکوع فرمایا۔ یہ رکوع بھی اس قیام کی مناسبت سے (طویل تر) تھا۔ اس میں یہ تسبیح پڑھتے رہے:۔ **سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریآء والعظمۃ**

آپ کی ذات پاک ہے، اے بڑے ہی جاہ و جلال والے! اور بڑی ہی حکومت والے، اور بڑی ہی کبریائی اور بزرگی والے! (فقیر عرض کرتا ہے کہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ یہیں سے ماخوذ ہے) پھر سجدہ بھی قیام کی مناسبت سے (طویل تر) فرمایا! اور اس میں بھی یہی تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ (دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہو گئے تو اس میں سورۂ آل عمران پڑھا۔ پھر تیسری چوتھی رکعت میں اس کے بعد کی ایک ایک سورت (نساء، و مائدہ) کی تلاوت فرماتے رہے۔

حضرت حذیفہ کی شہادت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صلّیت مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم لیلۃ من رمضان فافتتح البقرۃ فقلت یصلّی بھا رکعۃ ثم افتتح النساء فقرأھا ثم افتتح آل عمران فقرأھا مترسلاً فاذا مرّ بآیۃ فیھا تسبیح سبّح واذا مرّ بسؤال سأل واذا مرّ بتعوّذ تعوّذ۔ (ابن ابی شیبہ امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) رمضان شریف کی ایک رات حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ میں نے بھی (تہجد) ادا کی۔ (اس میں آپ نے) سورۂ بقرہ شروع فرمایا۔ تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اس کو ختم کر کے رکوع فرمائیں گے۔ (مگر آپ نے) اس کے بعد سورۂ نساء شروع فرما دیا پھر اس کو ختم فرمایا پھر سورۂ آل عمران شروع فرمایا، اس کو بھی روانی کے ساتھ ختم فرما دیا۔ (اس طرح طویل ترین

قرأت کے ساتھ نماز تمام ہوئی) اس میں بھی کسی ایسی آیت پر گزرتے جس میں تسبیح ہے تو آپ بھی تسبیح ادا فرماتے اور اگر کسی آیت میں دعا کا موقع آتا تو دعا فرماتے جاتے اور اگر پناہ مانگنے کی صورت درپیش ہوتی تو آپ پناہ مانگتے جاتے۔"

ام المومنین کی شہادت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔ کنت اقوم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل فیقرأ البقرۃ وآل عمران والنساء فاذا مر بآیۃ فیھا استبشار دعا ورغب واذا مر بآیۃ فیھا تخویف دعا واستعاذ۔ (امام احمد، ابن الضریس، بیہقی) راتوں کو حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں بھی تہجد میں قیام کیا کرتی تھی۔ آپ عموماً سورۂ بقرہ، آل عمران اور سورۂ نساء پڑھا کرتے تھے، پھر جب ایسی آیت آتی جس میں خوشخبری سنائی جاتی ہے تو آپ دعا فرماتے اور اپنی رغبت کا اظہار فرماتے اور اگر آپ کوئی اور آیت پڑھتے جس میں خوف دلایا گیا ہے تو دعا کرتے اور پناہ مانگتے جاتے۔"

سورۂ بقرہ کی چند خصوصیات علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ قال بعض الاشیاخ ان فیھا الف امر والف نھی والف خبر قیل وفیھا خمسۃ عشر مثلا ولھذا اقام ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما ثمانی سنین علی تعلمھا وورد فی حدیث المستدرک تسمیتھا سنام القرآن وسنام کل شیئ

اعلاه کانه لذلک (ایضا۔ (روح المعانی) کئی بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس سورت شریفہ میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار نواہی اور ایک ہزار خبریں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں پندرہ مثالیں یا ضرب الامثال ہیں۔ سورہ بقرہ کی عظمت کے مدنظر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سورت شریفہ کو آٹھ سال تک سیکھتے رہے اور مستدرک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں اس سورت شریفہ کا ایک نام "سنام القرآن" ہونا ارشاد ہوا ہے اور ہر چیز کے اعلیٰ تر حصہ کو ہی "سنام" کہتے ہیں۔ گویا کہ اس کی فضیلت کے لحاظ سے ہی یہ نام رکھا گیا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اسی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ بقرہ کو تہجد میں اکثر تلاوت فرماتے تھے جیسا کہ حضرت ام المومنین حضرت حذیفہ اور حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات سے معلوم ہوا جو ابھی ابھی اوپر گزر چکی ہیں۔ اسی سورت شریفہ میں آیۃ الکرسی ہے جس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔ وایہا افضل قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال آیۃ الکرسی (سورۂ بقرہ کی آیات میں) کونسی آیۂ کریمہ زیادہ فضیلت والی ہے؟ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو ارشاد اقدس ہوا کہ وہ آیۃ الکرسی ہے۔" نیز خواتیم بقرہ کی فضیلت کیا ہے اس کا بیان انشاء اللہ المتعان

آیۃ الکرسی اور آمن الرسول کی تفسیر کے موقع پر آئے گا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی وہ آیۂ کریمہ جو سب سے آخر پر ۱۰ر ذی حجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع کے دوسرے دن مکہ میں نازل ہوئی پھر اس کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوئی وہ بھی اسی سورت شریفہ میں ہے یعنی واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ۔ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم سب اللہ سبحانہ کی طرف رجوع کئے جاؤ گے ۔"

سورۂ بقرہ کی تقدیم توقیفی ہے

حضرت سلیمان کہتے ہیں:۔ سئل ربیعۃ وانا حاضر لم قدمت البقرۃ وآل عمران وقد نزل قبلہا نیف وثمانون سورۃ بمکۃ فقال یعلم من قدمہا بتقدمتہا فہذا اما ینتہی الیہ ولا یسئل عنہ۔ (ابوبکر بن الانباری) حضرت ربیعہ سے میری موجودگی میں دریافت کیا گیا کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو (دوسری تمام سورتوں سے) پہلے کیوں لکھا گیا؟ حالاں کہ ان سے پیشتر مکہ مکرمہ میں (قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں کے منجملہ) اسّی سورتوں سے زیادہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ جنھوں نے ان کو مقدم رکھا ہے ان کی تقدیم کی وجہ وہ خوب جانتے تھے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس میں لب کشائی نہ کرنی چاہئے اور نہ اس بارے میں کوئی سوال کرنا چاہئے۔" مطلب یہ کہ ترتیب نزولی اور ہے اور ترتیب لوح محفوظ اور ہے۔ مسلمانوں کو جیسی جیسی ضرورت درپیش ہوئی اس کے

مطابق آیات اور سورتیں نازل ہوتی رہیں۔ پھر جو کچھ اترا اس کو لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاتبین وحی کو جیسی جیسی ہدایت فرمائی اس کے اعتبار سے مقدم مؤخر کیا گیا۔ اس بارے میں نہ کسی تردد کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے سوال کرنے کی حاجت۔ جن پر قرآن کریم نازل ہوا اس تقدیم و تاخیر کی وجہ خوب جانتے تھے اور لکھنے والے بھی آپ کی ہدایات کے مطابق لکھتے جاتے تھے۔ قرآن کریم کی ترتیب توقیفی ہے قیاسی نہیں۔ بلکہ لوح محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

ماقبل سے ربط سورۂ بقرہ کا ربط ماقبل سورت فاتحہ کے ساتھ اس طرح ہے کہ سورۂ فاتحہ میں اولاً اللہ سبحانہ کی ربوبیت اور ثانیاً بندوں کی عبودیت اور ثالثاً بندوں کی طرف سے طلب ہدایت کا بیان تھا۔ تاکہ بندوں کے مقاصد دینیہ اور مطالب یقینیہ حاصل ہوں۔ سورۂ بقرہ میں بھی اولاً رب العالمین کی معرفت اور شناخت یؤمنون بالغیب وغیرہ آیات سے کرائی جارہی ہے۔ اور ثانیاً عبادات اور اس کے لوازم یا ایہا الناس اعبدوا ربکم وغیرہ کے ذریعہ بتائے جارہے ہیں۔ اور ثالثاً ہدایت کی تحصیل کے طور طریق ھدی للمتقین وغیرہ کے ذریعہ سکھائے جارہے ہیں۔ اس کے علاوہ فاتحہ کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ متن ہے اور مابقی سورتیں اس کی شرح ہیں۔ اس اعتبار سے نہ صرف سورۂ بقرہ بلکہ قرآن کریم کی ہر سورت کو فاتحہ کیا

ایسا ہی ربط ہے جیسا کہ شرح کو متن کے ساتھ ہوتا ہے اور اس اعتبار سے کہ سورۂ بقرہ قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت ہے جس کی بنا پر اس کو سنام القرآن، فسطاط القرآن وغیرہ اسمائے احادیث شریفہ میں یاد فرمایا گیا ہے لہٰذا اس کو فاتحہ سے ربط بھی زیادہ تر ہے۔ واللہ اعلم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع نام سے اللہ کے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝ اللہ اعلم بمرادہ بذٰلک۔ اس سے کیا مراد ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ہی اس کا علم بہتر طریق پر ہے"

حروف مقطعات اسرار ہیں یہ حروف مقطعات ہیں جو اس طرح الگ الگ پڑھے جاتے ہیں: الف، لام، میم۔ دراصل یہ اسرار ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:— فی کل کتاب سر و سر اللہ تعالیٰ فی القرآن اوائل السور (بغوی) ہر مکتوب میں (الم اترکم) ایک راز ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا راز قرآن کریم میں (جو کتاب اللہ ہے وہ حروف ہیں) جو سورتوں کی ابتداء میں ہیں" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:— ان لکل کتاب صفوۃ وصفوۃ ھذا الکتاب حروف التھجی (ثعلبی) یقین جانو کہ ہر مکتوب کا ایک حاصل خاص ہوتا ہے اور اس کتاب حکیم (قرآن کریم) کا حاصل خاص حروف تہجی ہیں" اس کے علاوہ حافظ سمرقندی نے سیدنا عمر،

سیدنا عثمان، اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ اور علامہ قرطبی نے حضرت سفیان ثوری، ربیع بن خثیم، ابوبکر بن الانباری ابن ابی حاتم اور جماعت محدثین سے اسی طرح منقول ہونا بیان کیا ہے۔ امام سجاوندی فرماتے ہیں:۔ المروی عن الصدر الاول فی حروف التہجی انھا سر بین اللہ وبین نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد یجری بین المحرمین کلمات معمیات تشیر الی اسرار بینھما۔ حروف تہجی (حروف مقطعات) کے باب میں صدر اول (عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے روایت ہوتی چلی آئی ہے وہ یہی ہے کہ یہ حروف اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اسرار اور رموز ہیں۔ اور ایسا طریقہ دو محرمان راز کے درمیان جاری وساری ہے کہ بعض کلمات معمہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جن سے صاف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کچھ اسرار ہیں۔ مگر وہ کیا ہیں؟ اسکو کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے کسی خاص بلکہ اخص الخاص مخلص کو اس سے کچھ واقف کرادیں۔ چنانچہ حضرت حبر الامہ سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے آیہ کریمہ لایعلم تأویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم کی تفسیر میں فرمایا:۔ انا من الراسخین فی العلم وانا ممن یعلم تأویلہ۔ میں بھی راسخین فی العلم سے ہوں اور میں بھی

اس کی تاویل جاننے والوں سے ہوں "۔ اسی طرح بعض کاملین نے بھی فرمایا ہے مگر یہ محرمانِ راز مخصلین کس حد تک واقف ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔ اس کے بعد بھی وہ اسرار مخلصین کاملین کی حد تک ہی محدود رہتے ہیں۔ عوام پر اس کا افشاء نہیں کیا جاتا اور نہ عوام اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ اس سے کچھ فائدہ اٹھا سکتے۔ لہٰذا ہم عوام کو یوں سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم کا وہ حصہ جو حروف مقطعات اور متشابہات پر مشتمل ہے ہمارے انصاب تعلیم میں داخل ہی نہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ اس اعتبار سے ہمارے حق میں یہ بھی عین رحمت ہے کہ ہم کو اس کی تکلیف ہی نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے عامہ مفسرین کرام نے یہی فرمایا۔ اللہ اعلم بمرادہ بذٰلک۔ ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

حروف مقطعات اور یہود کی حیرانی

ایک روایت یہ ہے:۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اتاہ الیہود تلا علیہم الٓمّٓ البقرۃ فحسبوا فقالوا کیف ندخل فی دین مدتہ احدی وسبعون سنۃ فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا فہل غیرہ فقال الٓمّٓصٓ والٓرٰ والٓمّٓرٰ۔ فقالوا خلطت علینا فلا ندری بایّہا نأخذ۔ (بخاری فی تاریخہ ابن جریر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں جب یہود حاضر ہوئے تو آپ نے

سورہ بقرہ سے الٓمّٓ (اور اس کے بعد کی چند آیات کریمہ) تلاوت فرمائیں۔ اس پر انہوں نے (حساب جمل کے لحاظ سے) الف، لام، میم کے اعداد کا حساب لگایا اور کہنے لگے ہم ایسے دین میں کیونکر داخل ہوں جس کی مدت کل (۷۱) سال ہے۔ (کیونکہ الف کا ایک اور لام کے تیس اور میم کے چالیس عدد ہوتے ہیں جن کا مجموعہ (۷۱) ہی ہوتا ہے) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا اس کے سوا بھی کچھ آپ پر نازل ہوا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں المص، الر، المر بھی نازل ہوا ہے۔ اب (وہ پریشان ہو کر) کہنے لگے کہ آپ نے معاملہ کو مخلوط فرما دیا۔ اب ہم نہیں جانتے کہ کون حصہ شمار کریں؟ کیونکہ الم پر اگر ص کا اضافہ کریں تو (۷۱) پر ص کے مزید (۹۰) بڑھ جاتے ہیں اور اگر ال پر ر کا اضافہ کریں تو ر کے (۲۰۰) کا اضافہ ہو جاتا اور مجموعہ (۲۳۱) قرار پاتا ہے۔ اور اگر الم پر ر کا اضافہ کریں تو مزید (۲۰۰) کا اضافہ ہو کر (۲۷۱) مجموعہ قرار پاتا ہے (پھر معلوم نہیں کہ ان تمام اعداد کو صرف جمع کر لیا جائے یا ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دیتے جائیں) بہر حال حساب بہت پیچیدہ ہو گیا اور کوئی ایک مجموعہ قرار دینا ہمارے لئے بے حد مشکل ہو گیا۔

کیا حروف مقطعات اسمائے الٰہی ہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات، اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ الٓمّٓ

حروف اشتققت من حروف هجاء اسماء الله۔ (ابن جریر، بیہقی) "الف لام میم یہ ایسے حروف ہیں جو حروف ہجاء سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ اسماء اللہ ہیں۔" حضرت ابن مسعودؓ نے الٓمّٓ کے بارے میں یہ بھی فرمایا: ـ هو اسم الله اعظم۔ (ابن جریج) "الف لام میم اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ـ الٓمّٓ و حٰمٓ و طٰسٓ هی اسم الله الاعظم۔ (ابن جریج) "الف لام میم اور حا میم اور طا سین یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں۔" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے: ـ انه كان يقول يا كٓهٰيٰعٓصٓ اغفرلی۔ (ابن ماجہ) "آپ یوں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے کاف ہا یا عین صاد میری مغفرت فرمائیے۔" اس سے بھی حروف مقطعات کے اسماء اللہ ہونے کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔

کیا حروف مقطعات قرآن کریم کے نام ہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن کریم کے اسماء ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں جنکی ابتداء میں یہ حروف لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت قتادہ الٓمّٓ کے بارے میں فرماتے ہیں: ـ اسم من اسماء القرآن۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) "قرآن کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔" اور حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے: ـ الٓمّٓ ونحوها اسماء السور (ابن جریر) "الف لام میم اور اس کے مماثل حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتداء میں یہ حروف نازل ہوئے ہیں۔"

کیا حروفِ مقطعات سے قسم کھائی گئی ہے؟	ایک قول یہ ہے کہ حروفِ مقطعات قسمیں ہیں جن کے ذریعہ قسم کھائی گئی اور ان سورتوں کی اہمیت ظاہر

کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الٓمّ و الٓمّٓصٓ و الٓرٰ و الٓمّٓرٰ و کٓھٰیٰعٓصٓ و طٰہٰ و طٰسٓمٓ و طٰسٓ و یٰسٓ و صٓ و حٰمٓ و قٓ قال ھو قسم اقسمہ اللہ وھو من اسماء اللہ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) مذکورۃ الصدر حروفِ مقطعات قسمیں ہیں جن کے ذریعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور یہ سب اسماء اللہ ہیں۔"

عرضِ فقیر	فقیر عرض کرتا ہے کہ حروفِ مقطعات کو اسماء اللہ قرار دیا جائے یا

اسماء القرآن و اسماء السور۔ وہ اپنے مسمی کے بعض صفات پر دلالت کرتے ہونگے اگر یہ اسماء اللہ ہیں تو اللہ سبحانہ کے (۹۹) اسمائے حسنیٰ ہیں۔ ان میں سے بعض صفات پر اور اگر قرآن کریم کے نام ہیں تو قرآن کریم کے بعض صفات پر دلالت کرتے ہوں گے۔ مثلاً قرآن کریم کے چند صفات یہ ہیں۔ قرآن (پڑھے ہی رہنے کے قابل) کتاب (لکھتے ہی رہنے کے قابل) نور (روشنی بخشتے رہنے والی) حیوٰۃ (زندگی عطا کرتے رہنے والی) روح (اصل زندگی) ذکر (یاد دلاتے رہنے والی یا نصیحت کرتے رہنے والی) وغیرہ۔ اب ان اسماء و صفات کی تعبیر کہ ان

حروف مقطعات سے کون سے اسماء وصفات مراد ہیں بے حد مشکل امر ہے۔ پھر یہ دلالت چونکہ عام فہم نہیں بلکہ خواص اور اخص الخواص کے لئے بھی اس کا فہم دشوار ہے بجز اس کے کہ عنایت الٰہی دستگیری کررہی ہو تو نتیجہ یہی ہوا کہ حروف مقطعات اسرار ہیں۔ جن کا اظہار عام طور پر نہیں کیا جا سکتا اور نہ عوام اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لہٰذا ان کا علم خدا اور رسول ہی کے حوالہ کرنا ہوگا۔ جمہور مفسرین کرام نے بھی ان کی تفسیر میں یہی فرمایا:۔ اللہ اعلم بمرادہ بذلک۔ اس کی مراد کو اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں"۔

قاضی بیضاوی کی تحقیق قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:۔ ان حروف لما کانت عنصر الکلام وبسائط التی یترکب منها افتتحت السور بطائفة منها ایقاظا لمن یتحدی بالقرآن وتنبیها علی ان المتلو علیهم کلام منظوم مما ینظمون منه کلامهم فلو کان من عند غیر اللہ لما عجزوا عن الاتیان بمثله ولیکون اول ما یقرع الاسماع مستقلا بنوع من الاعجاز فان النطق باسماء الحروف من الامی معجزة کالکتابة

چونکہ حروف تہجی ہی سے کلام بنتا ہے اس لئے بعض سورتوں کا آغاز چند حروف تہجی سے فرمایا گیا تاکہ جو لوگ قرآن کریم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں ان کو معلوم ہو جائے

جس کلام پاک کی تلاوت ان کے آگے کی جارہی ہے اس کی تنظیم بھی ان ہی حروف سے کی جارہی ہے جن سے فصحائے عرب اپنا کلام منظوم کرتے ہیں۔ اگر یہ کلام کلام الٰہی نہ ہوتا تو یہ مدعیان فصاحت و بلاغت اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز نہ ہوتے۔ نیز اس وجہ سے (بعض سورتوں کا آغاز حروف تہجی سے کیا گیا کہ) پہلی چیز جو کانوں پر پڑے اس میں بھی مستقل طور پر ایک معجزہ کی شان پیدا ہو کیونکہ نبی امی ارواحنا لہ فداہ کا حروف تہجی کے نام پڑھ سنانا بھی بجائے خود معجزہ ہے۔ ایک اُمّی کا جس طرح لکھنے سے تعلق نہیں اسمائے حروف کا پڑھ سنانا بھی متصور نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور نکتہ سیّما وقد روعی فی ذلک ما یعجز عنہ الادیب الفائق فی فنّہ حیث اورد اربعۃ عشر اسماء نصف عدد اسماء الحروف فی تسع وعشرین سورۃ بعدد الحروف مشتملۃ علی انصاف جمیع انواعھا من المھموسۃ والمجھورۃ والشدیدۃ والرخوۃ وغیرھا۔ و ایضا الکلام غالباً یترکب من تلک الحروف الاربعۃ عشر دون البواقی والمعنی ان ھذا المتحدّی بہ مؤلّف من جنس ھذا الحروف (تفسیر بیضاوی) اس میں ایک لطف خاص بھی مرعی ہے جس سے ماہر فن اعلیٰ درجہ کا ادیب بھی عاجز ہے کہ (۲۹) حروف تہجی میں سے (۲۹) ہی سورتوں میں نصف

حروف یعنی (۱۴) کا انتخاب کیا گیا ہے۔ پھر اس میں بھی یہ رعایت ہے کہ جملہ حروف تہجی کے جس قدر انواع و صفات ہیں مہموسہ، مجہورہ، شدیدہ، رخوہ وغیرہ (جو ائمہ فن تجوید و قراءت کے ہاں معروف و متداول ہیں) ان میں سے بھی ہر ہر نوع کی نصف نصف تعداد ہی لی گئی ہے۔ پھر لطف مزید یہ کہ عموماً کلام کی ترکیب انہی (۱۴) حروف سے ہوا کرتی ہے۔ باقی حروف سے (اس عمومیت کے ساتھ نہیں ہوا کرتی۔ خلاصہ یہ کہ یہ کلام معجز نظام (قرآن کریم) بھی جو دعوت مقابلہ دے رہا ہے ان ہی حروف کی جنس سے مولف و منظوم ہے۔ لہذا جو لوگ اس کلام پاک کو اللہ سبحانہ تعالی کا کلام نہیں مانتے چاہیے کہ وہ بھی ایسا کوئی کلام بنا لائیں۔

آیات محکمات و متشابہات

قرآن کریم چونکہ ھدی للناس ہے یعنی ساری دنیا کے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اتارا گیا ہے اس لئے بلسان عربی مبین آیا یعنی عربی زبان میں جو نہایت صاف اور واضح ہے جس کا مطلب عرب کا ہر بچہ، جوان، بوڑھا، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ معمولی سمجھ والا، اور پختہ عقل و فہم رکھنے والا، ہر کوئی سمجھ سکتا ہے گویا یہ عوام کی زبان ہے۔ اور پورا قرآن عرب کی عامہ زبان ہی میں نازل ہوا ہے تاکہ ہر کوئی اس سے استفادہ کر سکے۔ اور آیات متشابہات کا حال یہ ہے:- ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات

هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ وہی (خدا) ہے جس نے (اے نبی کریم!) آپ پر (اپنی) کتاب (قرآن کریم) اتاری۔ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل کتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہ آیات ہیں (جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں) اب جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب تلاش کرنے کی خاطر۔ حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اس کو وہی سمجھتے ہیں جنکو عقل ہے" اس آیہ کریمہ کی قرارت دو طرح ہے۔ ایک قرارت یہی جو اوپر گزری کہ الا اللہ پر وقف کیا گیا اور اس کو وقف لازم ٹھہرایا گیا۔ اور اس لحاظ سے آیہ کریمہ کا ترجمہ اور مطلب بھی گزر چکا کہ متشابہات کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی پختہ علم بھی رکھتے ہیں تو وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ متشابہات پر ہمارا ایمان و یقین ہے اور محکمات و متشابہات سب اللہ سبحانہ کے پاس سے آئے ہیں۔

علمائے راسخین بھی بعض متشابہات سے کچھ واقف ہوتے ہیں	دوسری قرارت یوں ہے کہ

الا اللہ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ والراسخون فی العلم پر وقف کیا جائے۔ اس صورت میں آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ متشابہات کا مطلب اللہ سبحانہ تعالیٰ اور پختہ علم والوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتے۔ باایںہمہ راسخین فی العلم یعنی پختہ علم والے (اس پر مغرور و مطمئن نہیں ہوتے) وہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ وہ متشابہات پر یقین رکھتے اور محکمات و متشابہات دونوں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آیا ہوا کلام جانتے ہیں "۔ اس دوسری قراءت کے لحاظ سے متشابہات کا کچھ علم علمائے راسخین کو بھی حاصل ہوتا پایا جاتا ہے۔ گویا متشابہات کی زبان عوام الناس کی زبان نہ ہوئی بلکہ راسخین فی العلم کی زبان ٹھہری۔ فہم حسن فہم اس کو سمجھنے والوں نے ہی سمجھا۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ سمجھا تو کیا سمجھا اور کس حد تک سمجھا مگر عوام پر نہ اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

حکماؤ فلاسفہ کا امتحان

بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ حکماء و فلاسفہ اور مناطقہ کی کتابوں پر نظر ڈالی جائے مثلاً صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ وغیرہ جو حکماء و فلاسفہ و مناطقہ کی زبان میں ہیں۔ اور ان فنون کو جاننے والے بھی بڑی محنت اور دردسری کے بعد ان کتابوں کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ عوام کیا جانیں اور کیا خاک سمجھیں۔ یہ زبان ہوئی حکماء و فلاسفہ و مناطقہ کی۔ بڑی سردردی کے بعد ان کو پڑھا اور سمجھا بھی تو سوائے تکبر اور غرور کے کچھ حاصل نہیں ہوا اور قرآن وحدیث عام فہم ہیں اور نفع اتنا کہ آخرت کے علاوہ

دنیا بھی درست ہو جاتی ہے۔ اسی لئے خدا و رسول کی باتیں عام فہم اور آسان ہوتی ہیں ورنہ ان کی باتیں کس کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مگر حکماء و فلاسفہ نے خدا و رسول کی عام فہم باتوں کو معمولی خیال کیا تو ان کی عقل کے امتحان کے لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ الٓمٓ، الٓرٰ، الٓمٓرٰ، الٓمٓصٓ وغیرہ۔ اب تمام حکماء، فلاسفہ، مناطقہ اور موجودہ زمانے کے سائنس داں، ہیئت داں سر جوڑ کر اور متفقہ کوشش کر کے بتائیں کہ ان حروف سے کیا مراد ہے؟

قرآن کی عام فہم زبان اللہ سبحانہٗ کا احسان

یہ خدا و رسول کا احسان ہے کہ عام فہم زبان میں ہم کو مخاطب فرمایا۔ ارشاد باری ہے:۔ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم۔ اور ہم نے جس کسی رسول کو بھیجا تو ان کی قومی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ ان کو اچھی طرح سمجھاتے رہیں۔" ولقد یسرنا القرآن بیشک آسان بنایا ہم نے قرآن کو فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما لدا۔ (ای نبی کریم) ہم نے اس قرآن کو محض اس لئے آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری اور جھگڑالو لوگوں کو ڈر سناتے رہیں۔" اسی طرح دین کا ہر معاملہ آسانی پر مبنی ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اللہ سبحانہٗ تمہاری سہولت اور آسانی چاہتا ہے، تمہاری دشواری اور مشقت نہیں چاہتا۔ بہرحال حروف مقطعات اللہ سبحانہٗ کے اسرار ہیں خدا ہی جانے اور اس کے پیارے رسول۔ یا بعض کاملین مخلصین۔ باقی فرشتوں

بلکہ جبرئیل علیہم السلام کا ان اسرار سے واقف ہونا بھی ثابت نہیں۔ اس کے علاوہ۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ جو بخوف طوالت نہیں لکھے گئے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ الرٰ اور حٰمٓ اور نٓ اشارہ ہے الرحمٰن کی طرف۔ یعنی ان حروف کا مجموعہ الرحمٰن ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ وعلمہ اتم واحکم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ 2-2 2-3
بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ 2-4
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ
هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ 2-5
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یہ عظیم الشان کتاب ہے بے شک وشبہ اس میں ہدایت
ورہنمائی ہے ڈر والوں کے لئے، جو یقین لاتے ہیں بے دیکھے، اور قائم رکھتے ہیں نماز
اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور
وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف، اور اس پر جو اتارا گیا آپ کے
پہلے، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے
اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔"

شان نزول	ارشاد باری تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ ذٰلک الکتاب یہ ہی عظیم الشان

کتاب ہے جس کے اتارے جانے کا وعدہ توریت و انجیل میں دیا گیا۔ کعب احبار سے مروی ہے: علیکم بالقرآن فانہ فہم العقل و نور الحکمۃ و ینابیع العلم و احدث الکتب باللہ عہدا و قال فی التوراۃ یا محمد انی منزل علیک توراۃ حدیثۃ تفتح بہ اعینا عمیا و آذانا صما و قلوبا غلفا۔ (روح المعانی) قرآن کو لازم جانو (اس کی تلاوت کے پابند رہو) کیونکہ وہ عقل میں فہم عطا کرنے والا، اور حکمت میں روشنی پیدا کرنے والا اور تمام علوم کا سرچشمہ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہوئی تازہ ترین کتاب ہے۔ توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اے محمد! یقیناً میں آپ پر ایک نئی توریت اتاروں گا جس کے ذریعہ آپ اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو اس کتاب کے ذریعہ کھول دیں گے۔" اور خود قرآن کریم میں آگاہ کر دیا گیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کرمہ میں تشریف فرما تھے: انا سنلقی علیک قولا ثقیلا۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔" وہ قول ثقیل یہی سورۂ بقرہ ہے جس میں ایک ہزار امر اور ایک ہزار نواہی، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار اخبار ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پیشین گوئی سنائی تھی اور یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ایک کتاب نازل کروں گا اور بنی اسرائیل میں سے ایک رسول مبعوث کروں گا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ رونق افروز
ہوئے جہاں یہود بکثرت موجود تھے تو الٓمٓ ذالک الکتاب نازل فرما کر اس
وعدے کی تکمیل سے آگاہ فرمایا۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ
الٰہی ہوا تھا کہ آپ پر ایک ایسی کتاب اتاری جائے گی جو نہ پانی سے دھو کر مٹائی جا سکے
اور نہ بوسیدہ ہو کر فنا ہونے پائے۔ جب سورۂ بقرہ نازل ہوا تو یاد دلایا
جا رہا ہے:۔ ذالک الکتاب۔ یہ وہی کتاب موعود ہے " جس کی صفت
ہے فی صدور الذین اوتوا العلم۔ جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ و مصون ہے"
نہ کسی کے مٹائے مٹ سکے اور نہ اس پر کسی کا بس چل سکے۔ جو آج تک بفضلہ محفوظ ہے
اور ان شاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ
لحافظون یقیناً ہم ہی نے یہ نصیحت کرنے والی اور خدا کی یاد دلانے والی کتاب
اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں " اہل اسلام پر اللہ سبحانہ
تعالیٰ کا ایسا احسان عظیم ہے جس کا کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا اور یہ ایسا شرف و
امتیاز ہے جو دیگر کتب سماویہ میں سے کسی کو نصیب نہ ہو سکا اور نہ دنیا کی کوئی طاقت
اس کو چھین سکتی ہے۔ کتاب اللہ کی حفاظت کے ضمن میں اس کے ماننے والوں کا تحفظ
بھی مضمر و مستتر ہے۔ شیخ بوصیریؒ فرماتے ہیں:۔

بشریٰ لنا معشر الاسلام ان لنا من العنایۃ رکنا غیر منہدم

لاریب کی تفسیر لَا رَیْبَ ۔ بے شک وشبہہ ؛ یہاں قرآن کریم کا موضوع بتلایا جارہا ہے کہ اس کے کتاب آسمانی منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک ہی نہیں نیز اس کتاب مقدس میں جو کچھ لکھا ہے اس کی صداقت و حقانیت میں بھی کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ریب وتردد کسی ایسی بات میں ہوتا ہے جہاں مجرد دعویٰ ہو اس پر کوئی دلیل نہ ہو اور قرآن پاک کی ہر بات حچی تلی ' مدلل ' موجہ ہے جس کو سن کر ہر منصف مزاج ، سلیم الطبع شخص اس کو صحیح تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اور اس کی صحت کا یقین کئے بغیر کوئی اور راستہ اس کے لئے باقی ہی نہیں رہتا ۔ قرآن کریم ایسے واضح اور قوی دلائل رکھتا ہے جو عاقل و منصف کو اس کے کتاب الٰہی اور حق ہونے کے یقین پر مجبور کرتے ہیں لہذا کسی ہٹ دھرم ضدی اور سیاہ دل معاند کے شک و انکار سے یہ کتاب مبین مشکوک نہیں قرار پاسکتی ۔

ریب کی صورتیں یہاں یہ امر ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ کسی کلام میں ریب و تردد یا شک وشبہہ پیدا ہونے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں ۔ ایک یہ کہ خود کلام میں کوئی غلطی یا خرابی ہو ۔ دوسری صورت یہ کہ کلام تو بالکل صحیح اور حق ہو لیکن سننے اور سمجھنے والے کے فہم میں کوئی خلل ہو ۔ پہلی صورت میں کلام ہی شک وشبہہ کا محل و مقام ہوگا ۔ اور

ع اے جماعت اہل اسلام ! ہم کو خوش ہونا چاہئے کہ عنایت الٰہی سے ہم کو ایک ایسا ستون ملا ہے جو کبھی منہدم

دوسری صورت میں محل ریب کلام نہ ہوگا بلکہ اس کے سننے اور سمجھنے والے کا فہم ہوگا۔ یہاں لَا رَیْبَ کے ذریعہ جس شک وشبہہ کی نفی فرمائی جارہی ہے وہ صورت اولیٰ سے متعلق ہے یعنی قرآن کریم میں جو کچھ بیان فرمایا جارہا ہے وہ کلام الٰہی ہے نیز اس میں جس قدر مضامین، مسائل، احکام، قصص وامثال، عقائد واخبار وغیرہ بیان کئے جارہے ہیں وہ سب واقعی نفس الامری ہیں اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ اور ریب کی دوسری صورت کہ سامع کے فہم میں خلل ہو اور اس خلل کی وجہ سے ایک صحیح اور واقعی کلام کو وہ شک وشبہہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے تو اس کا بیان وان کنتم فی ریب کے ذریعہ آگے آرہا ہے۔ بہرحال جب ریب کی دو ہی صورتیں ہیں اور قرآن کریم سے دونوں کی نفی کردی گئی تو یہ کہنا بجائے خود بالکل صحیح ہوگا کہ قرآن کریم منزل من اللہ ہے اور اس کی ہر بات ہر قسم کے شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔ پس ہم اگر کوئی ہٹ دھرم قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے میں کلام کرے یا اس کی کسی بات میں شک وشبہہ پیدا کرے تو اس کی مثال اس نابینا کی سی ہوگی جو اپنی نابینائی کی وجہ سے آفتاب کو نہ دیکھ سکے اور آفتاب ہی کے وجود سے انکار کر بیٹھے۔ ؎

جو نشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است   سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

ھدًی للمتقین کی تفسیر | فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ اس میں ہدایت اور رہنمائی ہے

ڈر والوں کے لئے" قرآن کریم کی ہدایت اگرچہ دنیا بھر کے تمام لوگوں کے لئے ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا جوان یا بوڑھے، خواندہ تعلیم یافتہ ہوں یا ناخواندہ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: — هُدًى لِّلنَّاسِ یعنی یہ کتاب مبین سارے لوگوں کیلئے ہدایت ہے" لیکن چونکہ اس سے حقیقی طور پر نفع اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ سبحانہٗ کا خوف اپنے دل میں رکھتے ہیں اس لئے ارشاد ہو رہا ہے: — هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہدایت ہے متقیوں کے لئے "ڈر والوں کے لئے۔ گویا یہاں تین جملے ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے اس طرح ارشاد ہو رہے ہیں کہ ہر جملہ مابعد جملہ ماقبل کی علت اور دلیل قرار پاتا ہے۔ یعنی یہ کتاب موعود ایسا کلام معجز نظام ہے کہ اس کے حق اور منجانب اللہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ حق اور منجانب اللہ ہے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور جب اس کی ہر بات واضح اور مدلل و مبرہن ہے تو یہ کتاب بالضرور ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے تمام لوگوں کے لئے عموماً اور ڈر والوں کے لئے خصوصاً۔

تقوی کیا ہے اور متقی کون ہے؟

رہا یہ امر کہ تقوی کیا ہے اور متقی کون ہے۔ اس کی نسبت مفسرین کرام فرماتے ہیں: — المتقی من یقی نفسہ عما یضرہ فی الاٰخرۃ من الشرک وذٰلک ادناہ ومن المعاصی وذٰلک

اوسطہ ومن الاشتغال بما لایعنیہ ویشغلہ عن ذکر اللہ تعالیٰ وذلك اعلاہ۔ متقی (خدا سے ڈرنے والا) وہ ہے جو آخرت میں ضرر پہنچانے والی چیزوں سے اپنی ذات کو بچائے رکھے۔ (اس کے بے شمار مدارج ہیں۔ مگر بادی النظر میں تین درجے قرار دئے جا سکتے ہیں۔) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو شرک سے بچائے رکھے۔ اور خدا وند تعالیٰ شانہ کو اپنی ذات وصفات میں واحد و یکتا جانے۔ وحدہٗ لاشریك لہ۔ یہ تقوے کا ادنیٰ درجہ ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان خود کو گناہوں سے دور رکھے یعنی اوامر بجا لائے اور نواہی کو ترک کرے اور جہاں تک ہو سکے معصیت کے ارتکاب سے باز رہے۔ خصوصاً ایسے گناہ جن کی شرع شریف میں سزا مقرر ہے۔ یا آخرت میں عذاب شدید کا خوف دلایا گیا ہے۔ یہ تقوے کا اوسط درجہ ہے۔ تیسرا یہ کہ انسان اپنے آپ کو لا یعنی کاموں سے دور رکھے یعنی ایسے کام نہ کرے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو اللہ جل شانہٗ کی یاد سے غافل کرے۔ یہ تقوے کا اعلیٰ درجہ ہے۔" ان کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔ بہرحال قرآن کریم تمام متقیوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان کرتا ہے۔

ھدی للمتقین کی تفسیر | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ھدی للمتقین کی تفسیر میں فرمایا:۔ ھدی قال نور للمتقین قال ھم المؤمنون۔ (ابن جریر) ھدیً

سے نور اور روشنی مراد ہے اور متقین اہل ایمان ہیں " یعنی انسان کیسا ہی پرہیزگار ہو جب تک ایمان نہ لائے اس کا تقویٰ و پرہیزگاری لائق التفات نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی آیہ کریمہ ھدی للمتقین کی تفسیر میں فرمایا:۔ ای الذین یحذرون من امر اللّٰہ عقوبۃ فی ترک ما یعرفون من الھدی ویرجون رحمۃ فی التصدیق بماجاء منہ۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) متقین وہ لوگ ہیں جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کو جاننے کے بعد ان کی خلاف ورزی کی سزا سے ڈرتے اور بچتے رہتے ہیں اور جو احکام و ہدایات اللہ سبحانہ کے پاس سے آئے ہیں ان کی تصدیق کرکے اور ان پر ایمان لاکر اس کی رحمت کے امیدوار بنے رہتے ہیں" حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے موقع پر یوں فرمایا:۔ للمؤمنین الذین یتقون الشرک ویعملون بطاعتی۔ (ابن جریر) ارشاد الٰہی ہو رہا ہے کہ یہ کتاب عظیم یعنی قرآن کریم رہنمائی کا ذریعہ ہے ان ایمان والوں کے لئے جو شرک سے بچتے اور میری طاعت پر عمل پیرا رہتے ہیں " حضرت قتادہؒ نے فرمایا:۔ جعلہ اللّٰہ ھدی وضیاء لمن صدّق بہ ونورا للمتقین۔ (عبد بن حمید) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو رہنمائی اور روشنی کا سبب بنایا ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی تصدیق کرتے اور پرہیزگاروں کے لئے نور قرار دیا ہے"

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں :- یحبس الناس یوم القیامۃ فی بقیع واحد فینادی مناد این المتقون فیقومون فی کنف الرحمن لا یحتجب اللہ منھم ولا یستتر قیل من المتقون قال قوم اتقوا الشرک وعبادۃ الاوثان واخلصوا للہ العبادۃ فیمرون الی الجنۃ ۔ (ابن ابی حاتم)

قیامت کے دن، تمام لوگ ایک میدان میں اکٹھے کئے جائیں گے پھر ندا کرنے والا (فرشتہ) منادی کرے گا کہ متقین کہاں ہیں؟ (یہ سنتے ہی) تمام متقین، خدائے رحمن کے دامان رحمت میں جمع ہو جائیں گے اللہ سبحانہ تعالیٰ ان سے کسی قسم کا حجاب اور ستر نہیں فرمائے گا۔ اس پر حضرت معاذؓ سے دریافت کیا گیا کہ متقین کون ہیں؟ تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو بت پرستی اور شرک سے بچتے رہے اور ساری عبادت خالصاً لوجہ اللہ کرتے رہے۔ پھر وہ جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔"

پرہیزگاری کے لوازم حضرت عطیہ سعدیؓ صحابہ کرام سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :- لا یبلغ العبد المؤمن ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس بہ حذرا لما بہ بأس ۔ (امام احمد، عبد بن حمید، بخاری فی تاریخہ، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) بندۂ مومن، متقین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا تاآنکہ وہ ایسی چیزوں کو

ترک نہ کرے جس میں کوئی اندیشہ نہیں اس خوف سے کہ شاید اس میں اندیشہ ہو۔"

اسی کے قریب ترین حضرت ابوالدرداءؓ کا قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: تمام التقوی ان یتقی اللہ العبد حتی یتقیہ من مثقال ذرۃ وحتی یترک بعض ما یری انہ حلال مخافۃ ان یکون حراما یکون حجابا بینہ وبین الحرام۔ (امام احمدؒ ابن ابی الدنیا) کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے یہاں تک کہ ذرہ برابر چیز میں بھی خوف تحدار رہے اور یہاں تک کہ بعض چیزیں جن کو حلال تصور کیا جاتا ہے ان کو بھی چھوڑ دے اس اندیشہ سے کہ وہ حرام ہو تاکہ یہ تقویٰ اور اجتناب بندے اور حرام کے درمیان حجاب بن کر حائل رہے۔" حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: لو ان رجلا اتقی مائۃ شیئ ولم یتق شیئا واحدا لم یکن من المتقین (ابن ابی الدنیا) فرض کیجئے کہ ایک شخص سو چیزوں سے بچتا رہا اور ایک چیز سے نہ بچا تو وہ متقین میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ما زالت التقوی بالمتقین حتی ترکوا کثیرا من الحلال مخافۃ الحرام۔ (ابن ابی الدنیا) متقین ہمیشہ طریق تقویٰ پر قائم رہا کئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بہت ساری حلال چیزوں کو چھوڑ دیا اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ چیز حرام نہ ہو۔"

طریق تقویٰ حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ ہے: ان رجلا قال له ما التقوی قال هل اخذت طریقا ذا شوك قال نعم قال فكیف صنعت قال اذا رأیت الشوك عدلت عنه اوجاوزته اوقصرت عنه قال ذاك التقوی (ابن ابی الدنیا) ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ فرمایا کبھی تم نے خار دار رستہ بھی طے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں (ایسا اتفاق ہوا ہے) اس پر فرمایا۔ پھر تم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ اس نے کہا کہ جب میں کانٹا دیکھتا تو اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتا۔ یا قدم اس سے آگے بڑھا کر ڈالتا یا اس سے اپنا قدم کوتاہ کر لیتا۔ یہ سن کر فرمایا کہ یہی تو تقویٰ ہے۔"

تقویٰ کی جامع تعریف حضرت طلق بن حبیبؓ کا واقعہ ہے: انه قیل له الا تجمع لنا التقوی فی کلام یسیر نرویه فقال التقوی العمل بطاعة الله علی نور من الله رجاء رحمة الله والتقوی ترك معاصی الله علی نور من الله مخافة عذاب الله۔ (ابن ابی شیبہ ابن ابی الدنیا ابن ابی حاتم) ان بزرگ سے کہا گیا۔ کیا آپ تقویٰ کی جامع تعریف مختصر طور پر بیان نہیں فرمائیں گے تاکہ ہم اس کو دوسروں سے بیان کرتے رہیں۔ تو فرمایا تقویٰ یہ ہے کہ نور الٰہی کی روشنی میں رحمت الٰہی کے امیدوار بن کر تم اللہ سبحانہ کی طاعت میں لگے رہو۔ (یہ

تقویٰ کا ایجابی پہلو ہوا) اور تقویٰ یہ بھی ہے کہ نورالٰہی کی روشنی میں اللہ سبحانہ کے عذاب سے ڈر کر خداوند تعالیٰ شانہ کے گناہوں اور معاصی کو چھوڑ دیا کرو۔" (یہ تقویٰ کا سلبی پہلو ہوا) فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں نور اللّٰہ سے علم دین مراد ہے۔ طاعات کی بجا آوری کے لئے علم دین کی ضرورت ہے اور معاصی سے بچنے کیلئے بھی علم دین کی حاجت ہے۔ ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔

تقویٰ کی تکمیل اور علم کی تحصیل لازم و ملزوم ہے

حضرت عون بن عبداللہؒ فرماتے ہیں:۔ تمام التقوی ان تبتغی علم مالم تعلم منھا الی ماقد علمت منھا۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ابی الدنیا) کمال تقویٰ یہ ہے کہ پرہیزگاری کے جن شعبوں کا علم تم کو حاصل ہو چکا ہے ان کے ساتھ ان شعبوں کی تحصیل میں لگے رہو جن کا علم تم کو ابھی تک حاصل نہیں ہوا" اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تقوے کے مدارج ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر درجہ کی تکمیل اس کے علم کی تحصیل پر موقوف ہے۔ تاوقتیکہ علم کی تحصیل نہ ہو گی۔ عمل کی تکمیل نہ ہو گی۔ یہاں علم کی روشنی ساتھ لے کر میدان عمل کی طرف جانا اور اس کو طے کرنا ہے۔ ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ جس چیز کا علم حاصل ہو چکا ہے اس پر عمل پیرا ہوا کریں تو اس کی بدولت ان ابواب کا علم حاصل ہوتا رہے گا جو اس وقت تک حاصل نہ تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ۔ تم اللہ سبحانہ سے ڈرتے اور راہ تقویٰ اختیار کرتے رہو اور اللہ سبحانہ تم کو اس کا علم دیتا رہے گا جو تم کو اس وقت تک حاصل نہ تھا۔

متقین کی شناخت حضرت وہب بن کیسان کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ایک بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ نصیحت لکھ بھیجی:۔ اما بعد فان لاھل التقوی علامات یعرفون بھا و یعرفونھا من انفسھم من صابر علی البلاء و رضی بالقضاء وشکر النعماء و ذل لحکم القرآن۔ (ابن ابی الدنیا) بعد حمد و صلاۃ کے واضح ہو کہ ارباب تقویٰ کی چند نشانیاں ہیں جن سے ان کی شناخت ہوسکتی ہے اور وہ خود بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ وہ علامات یہ ہیں کہ جو بلاؤں پر صبر کرے اور اللہ سبحانہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔ نعمتوں پر شکر گزار رہے۔ اور قرآن کریم کے ہر حکم کے آگے سر جھکائے رہے۔"

متقی کی نشانیاں حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:۔ قال داؤد لابنہ سلیمان علیہما السلام یا بنی انما تستدل علی تقوی الرجل بثلاثۃ اشیاء لحسن توکلہ علی اللہ فیما نابہ و لحسن رضاہ فیما آتاہ و لحسن زھدہ فیما فاتہ۔ (ابن ابی الدنیا) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فرزند

حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا: ــ صاحبزادے! تم انسان کے تقوے کا اندازہ صرف ان تین چیزوں سے کر سکو گے۔ ایک یہ کہ جو چیز انسان کو نوبت بہ نوبت ملتی رہتی ہے (مثلاً غذا) اس کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر پورا بھروسہ اور اعتماد رہے (کہ جو چیز میرے لئے مقدر ہے وہ لامحالہ مجھے مل کر رہے گی۔) دوسری بات یہ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے جو کچھ عنایت فرمایا ہے اس سے وہ ہر طرح راضی اور خوشنود رہے۔ (کبھی یوں نہ کہے کہ اللہ نے مجھے اتنا ہی دیا ہے حالانکہ دوسروں کو ایسی ایسی نعمتوں سے سرفراز فرمایا) تیسری بات یہ کہ جو چیز اس کو نہ مل سکی اس سے پوری طرح اپنی بے رغبتی کا اظہار کرے اس کو دل سے نکال دے اور اس کے چھوٹ جانے پر اس کو افسوس نہ ہو۔"

دوام ذکر علامت تقویٰ حضرت سہم بن سحابؓ فرماتے ہیں: ــ معدن من التقوی لا یزال لسانك رطبا من ذکر اللہ۔ (ابن ابی الدنیا) تقویٰ کی کان اور اس کی اصل یہ ہے کہ تمھاری زبان اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے کبھی خشک نہ ہونے پائے۔" یعنی ہمیشہ اس کا ذکر ورد زبان رہے۔ یہ ذکر لسانی ہوا۔ اس کے علاوہ ذکر جوارح اور ذکر قلب بھی ہے جس کی فضیلت ذکر لسانی پر اسی طرح ہے جیسی فضیلت ذکر زبان پر عمل جوارح کو اور عمل جوارح پر ذکر قلب کو حاصل ہے۔ کوئی کام درپیش ہو تو اس کو میزان شریعت میں تول لے کہ آیا اس کا کرنا میرے لئے شرعاً

جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس میں حصہ لے ورنہ اس کو چھوڑ دے۔ جائز بھی ہے تو یہ کام میرے لئے مفید بھی ہے یا نہیں۔ آخرت میں فائدہ دینے والا ہے یا نہیں؟ یہی حال ذکر قلبی کا ہے کہ ہاتھ پاؤں کسی مفید کام میں بھی لگے رہیں دل یادِ الٰہی سے غافل نہ رہے۔ مثل مشہور ہے:۔

دل بیار و دست بکار

متقی بننے کی آسان تدبیر حضرت سعید بن ابی مقبریؒ فرماتے ہیں:۔ بلغنا ان رجلا جاء الی عیسیٰ فقال یا معلّم الخیر کیف اکون تقیا للّٰہ کما ینبغی قال بیسیر من الامر تحب اللّٰہ تعالیٰ بقلبک کلّہ و تعمل بکدحک و قوتک ما استطعت و ترحم ابن جنسک لما ترحم نفسک قال من ابن جنسی یا معلّم الخیر قال ولد آدم کلّھم وما لا تحبّ ان یوتی الیک فلا تاتہ الی احد فانت تقیّ للّٰہ حقا۔ (امام احمدؒ ابن ابی الدنیا)

ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ اے معلم الخیر! (خیر کی تعلیم دینے والے!) اللہ سے جیسا ڈرنا چاہئے ایسا ڈرنے والا میں کس تدبیر سے ہو سکتا ہوں؟ تو فرمایا کہ یہ تو بہت آسان ہے۔ تم اللہ سے اپنے پورے دل سے محبت رکھو۔ اور اپنی محنت و قوت سے صرف اتنا عمل کر لیا کرو

جتنا تم سے ہو سکے۔ اور اپنے ابنائے جنس پر ایسے ہی مہربان رہو جیسا تم اپنے نفس کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرتے ہو۔ اور جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرو تو تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ گے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ اس نے پھر عرض کیا اے معلم الخیر! میرے ابنائے جنس کون ہیں؟ فرمایا۔ تمام اولاد آدم (تمہارے ابنائے جنس ہیں)۔"

مضمون بالا کی توضیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار چیزوں کی تلقین فرمائی اللہ کے ساتھ پورے دل سے محبت رکھنا۔ اس کا تعلق دل سے ہے۔ اس میں ہاتھ پاؤں کی محنت نہیں۔ ابنائے جنس پر رحم کرنا۔ یہ بھی اعمال قلب سے ہے۔ تیسرا ہر چہ برخود نہ پسندی بدیگراں ہم مپسند۔ یہ بھی اعمال قلب سے ہے۔ ہاتھ پاؤں کی محنت کو جس میں دخل ہے وہ صرف افعال جوارح ہیں۔ اس میں بھی یہ سہولت ہے کہ (ترک محارم اور ادائے فرائض کے بعد) اپنی طاقت اور استطاعت کی حد تک کارہائے خیر میں حصہ لیا کریں۔ اور متقین کی فہرست میں نام لکھا لیں بلکہ سرفہرست قرار پائیں۔ اس تعلیم و تلقین پر اگر غور کیا جائے تو حقیقت میں یہ بہت آسان ہے۔ واللہ الموفق۔

اصل تقویٰ اور اس کے درجات حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں:۔ رأس التقوی ومعظمه ان لا تعبد شیئا دون اللہ ثم تتفاضل الناس بالتقیٰ

والنہی۔ (ابن ابی الدنیا) اصل تقویٰ اور تقویٰ کا بڑا درجہ یہی ہے کہ تم اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس ایک چیز کے حصول کے بعد لوگ تقویٰ کے دیگر ابواب اور اپنی عقل و دانائی کے درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت و مرتبت حاصل کرتے رہتے ہیں۔" حضرت عون بن عبداللہ فرماتے ہیں: فواتح التقوی حسن النیة وخواتمها التوفیق والعبد فیما بین ذلك بین هلكات وشبهات ونفس تحطب علی سلوها وعدو مكید غیر غافل ولا عاجز۔ (ابن ابی الدنیا) تقوے کا آغاز نیک نیتی سے ہے اور انجام امرِ خیر کی توفیق پر ہے۔ اور بندہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ مہلکات اور شبہات میں گرفتار ہے۔ ایک طرف نفس ہے جو اپنی تسلی کا سامان کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف چال باز دشمن (ابلیس) ہے جو نہ تو کبھی (انسان کو بھٹکانے اور بہکانے سے) غافل رہتا ہے اور نہ (وہ اپنی چال بازیوں سے تھکتا اور) قاصر رہتا ہے۔"

کثرت قیام و صیام کا نام تقویٰ نہیں

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لیس تقوی اللہ بصیام النهار ولا بقیام اللیل والتخلیط فیما بین ذلك ولكن تقوی اللہ ترك ما حرم اللہ واداء ما افترض اللہ فمن رزق بعد ذلك خیرا فهو خیر الی خیر۔ (ابن ابی الدنیا)

تقویٰ، نہ تو دن کو کثرت سے روزہ رکھنے کا نام ہے اور نہ زیادہ عبادت میں رات گزارنے کا اور نہ ان دونوں کے درمیان کچھ کرتے رہنے کا۔ لیکن اصل تقویٰ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو بالکلیہ چھوڑ دینا اور جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے ان کی بجاآوری میں لگے رہنا۔ پھر اس کے بعد بھی کسی کو کوئی بھلائی نصیب ہو تو وہ نور علیٰ نور ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خطبہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ ہے:۔ انہ لمّا ولی حمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اوصیکم بتقوی اللہ خلف من کل شیئ ولیس من تقوی اللہ خلف۔ (ابن ابی الدنیا)

جب آپ خلیفۃ المسلمین بنائے گئے تو (آپ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا (لوگو!) میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ڈر" ہر چیز کا جانشین اور خلیفہ ہو سکتا ہے اور تقوے کا بدل یہ ہے کہ (اگر یہ نہو تو) کوئی چیز اس کی جانشین اور بدل نہیں ہو سکتی"۔ اور ایک موقع پر آپ نے خطبہ دیا اس میں بھی یوں فرمایا:۔ یاایھا الناس اتقوا اللہ فانہ لیس من ھالک الا لہ سلف الا التقویٰ۔ (ابن ابی الدنیا)

لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راہ تقویٰ اختیار کرو کیونکہ جو کوئی چیز بھی چھوڑ جاتا ہے

اور فوت ہوجائے تو اس کا جانشین اور بدل ہے۔ (مثلاً نماز روزہ وقت پر ادا نہ ہو تو روزے نماز کی قضا اس کا بدل اور جانشین ہے) لیکن اگر تقویٰ ہاتھ سے جاتا رہے تو کوئی چیز اس کی تلافی نہیں کرسکتی۔"

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا تقویٰ نہیں

حضرت محرز طفاوی فرماتے ہیں:۔ کیف یرجو مفاتیح التقوی من یؤثر علی الآخرۃ الدنیا (ابن ابی الدنیا) جو شخص آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ کیونکر یہ توقع رکھتا ہے کہ تقویٰ کی کنجیاں اس کے ہاتھ لگ جائیں گی" مطلب یہ ہے کہ متقی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کام کرتا ہے اس میں منفعت دنیا کے مقابلہ میں اخروی منفعت کو پیش نظر رکھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ آخرت کے لئے کرتا ہے" اور جس کا طرز عمل اسکے برخلاف ہو اُسے تقویٰ حاصل ہونے کی امید کس بنا پر کرسکتا ہے؟ ارشاد باری ہے:۔

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم وموسی یقیناً مراد کو پہنچا جس نے (اپنے نفس کا) تزکیہ کیا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز شروع کی۔ بلکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (جو فانی ہے) حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور بہت پائدار ہے۔ یقیناً یہی نصیحت

اگلے صحیفوں میں بھی درج ہے۔ ابراہیم کے صحیفوں میں اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی "گویا انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین کی تعلیمات یہی ہیں جو ابتداء سے چلی آرہی ہیں۔

مدار کار تقویٰ پر ہے محض قیام لیل پر نہیں

حضرت محمد بن یوسف فریابیؒ کا بیان ہے: قلت لسفیان اری الناس یقولون سفیان الثوری وانت تنام اللیل فقال لی اسکت ملاک ھذا الامر التقوی۔ (ابن ابی الدنیا) میں نے حضرت سفیان ثوری سے کہا کہ تمام لوگ کہتے رہتے ہیں۔ سفیان ثوری سفیان ثوری۔ (ہر امر میں آپ ہی کا حوالہ دیتے ہیں اور آپ ہی کا ذکر خیر کرتے ہیں کہ انسان ایسا ہونا چاہیے۔) اور آپ کا یہ حال ہے کہ آپ رات تمام سوتے پڑے رہتے ہیں فرمایا چپ رہو۔ "مدار کار تقوے پر ہے" قیام لیل اور تہجد گزاری پر ہی نہیں

حضرت میمون بن مہرانؒ نے فرمایا: لا یکون الرجل من المتقین حتی یحاسب نفسه اشد من محاسبة شریکه حتی تعلم من این مطعمه ومن این مشربه امن حل ذلك ام من حرام۔ (ابن ابی شیبۃ ابونعیم) انسان کا شمار متقیوں میں نہیں ہو سکتا تا آنکہ وہ اپنے شریک کار کے محاسبہ سے سخت تر محاسبہ اپنے نفس کے ساتھ کرتا رہے تا معلوم ہو کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور

اس کے مشروبات کہاں سے آئے۔ کیا حلال طور پر آئے یا حرام طریقہ سے؟"

متقین کے فضائل حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ لما خلق اللّٰہ الجنۃ قال لھا تکلمی قالت طوبیٰ للمتقین۔ (ابن ابی الدنیا) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اس سے فرمائش کی کہ کچھ بول۔ اس نے کہا کہ متقیوں کیلئے مبارک ہو۔" لھم فیھا نعیم مقیم۔ اس میں ان لوگوں کے لئے غیر فانی ہر قسم کی نعمتیں مہیا ہیں" لھم فیھا ما یشاؤن۔ انہیں ان کے لئے وہ سب کچھ سامان راحت ہے جس کو وہ چاہتے ہوں" لھم فیھا دار الخلد۔ ان کے لئے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے واسطے بہترین ٹھکانا ہے" حضرت مالک بن دینار نے فرمایا:۔ القیامۃ عرس المتقین۔ (ابن ابی الدنیا) قیامت متقیوں کے حق میں کمال شادمانی کا دن ہے" ولنعم من قال۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ؎

الٰہی کیا مبارک وقت ہے کیا نیک ساعت ہے
کہ جوش عیش ہے جوش طرب ہے، جوش عشرت ہے

اہل جنت میں اولیت متقین کو حاصل ہے حضرت ابو العفیف جو حضرت معاذ بن جبلؓ کے اصحاب سے ہیں فرماتے ہیں:۔ یدخل

اھل الجنۃ الجنۃ علی اربعۃ اصناف المتقین ثمّ الشاکرین ثمّ الخائفین ثمّ اصحاب الیمین۔ (ابن ابی حاتم) جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو چار قسم کے لوگ ہوں گے۔ (سب سے پہلے) متقین۔ پھر شکرگزاری کرتے رہنے والے، پھر ڈرتے رہنے والے، پھر داہنے ہاتھوں والے" یعنی داہنے ہاتھ والے" یعنی جن کے داہنے ہاتھوں میں ان کے نامۂ اعمال دے گئے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت میں اولیت اور تقدم متقین ہی کو حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ان اولیاؤہ الا المتقون "اللہ سبحانہ کا تقرب رکھنے والے یعنی اولیاء اللہ متقین ہی ہیں"

متقین شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینھما امور مشتبھات لا یعلمھا کثیر من الناس فمن اتّقی المشتبھات استبرأ لعرضہ ودینہ ومن وقع فی المشتبھات وقع فی الحرام۔ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بعض امور ہیں جو دونوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے (شبہہ میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ حلال ہیں

یا حرام) لہذا جو ایسے مشتبہات سے بچتا رہا اپنی آبرو اور اپنا دین محفوظ رکھا۔ اور جو مشتبہات میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا۔" پھر آپ نے اس کی تمثیل یوں بیان فرمائی :۔ کراع یرعی حول الحمی یوشك ان یواقعہ الا وان لکل ملك حمی وان حمی اللہ فی ارضہ محارمہ۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے مویشی (کسی کھیت کی) باڑھ کے پاس چرایا کرتا ہے (اندیشہ لگا رہتا ہے کہ) وہ اب یا جب (کھیت میں) جا گریں۔ آگاہ رہو ہر بادشاہ کی ایک باڑھ ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی باڑھ اس کی زمین میں اس کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں ہیں۔" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :۔

الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ (بخاری، مسلم، ابن عدی) آگاہ رہو کہ جسد انسانی میں ایک بوٹی (گوشت کا لوتھڑا) ہے جب وہ درست حالت پر رہے تو سارا جسد درست حالت پر رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارے جسد میں خرابی آجاتی ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔"

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ جو کہ یقین کرتے ہیں ان دیکھی چیزوں کا" اس بنا پر کہ خدا تعالیٰ اور رسولؐ نے اس کی خبر دی ہے۔ اور ان کو اس

امر کا یقین کامل ہے کہ خدا و رسول کی دی ہوئی ہر خبر سچی ہے اس میں کسی قسم کے تردد کی گنجائش نہیں۔ یہاں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ متقین کے جو اوصاف اوپر بتائے گئے ان کا اعتبار ایمان پر موقوف و منحصر ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر کسی شخص میں تمام اسباب و ابواب تقویٰ جمع ہیں اور وہ ہر طرح سے محتاط زندگی بسر کرتا ہے لیکن اس کو خدا اور رسول پر اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان و یقین نہیں تو اس کی یہ احتیاط لائق اعتنا نہیں۔ قرآن کریم ہدایت ہے ان متقین کے لئے جو غیب پر یعنی ان دیکھی چیزوں پر جو خدا و رسول نے بتلائی ہیں ان پر ایمان رکھتے ہوں۔

یؤمنون بالغیب کی تفسیر

یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:— ھم المؤمنون من العرب قال والایمان التصدیق والغیب ما غاب عن العباد من امر الجنۃ والنار وما ذکر اللہ فی القرآن لم یکن تصدیقھم بذلک من قبل اھل الکتاب او علم کان عندھم (ابن جریر) یہ (اولین صفت) عرب کے مومنین کی ہے۔ (ان کے ذریعہ سے دیگر اقوام کو ایمان نصیب ہوا) اور ایمان نام ہے دل سے سچ جاننے کا۔ اور غیب ہے وہ چیزیں

مراد ہیں جو بندوں (کی نظر) سے دور ہیں مثلاً جنت، دوزخ، اور وہ تمام در پیش ہونے والے احوال جن کا ذکر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ان امور کی تصدیق نہ تو ان کو اہل کتاب کے ذریعہ سے حاصل ہوئی تھی اور نہ ان کا علم اہل کتاب سے ان کو حاصل ہوا تھا۔ صرف قرآن کریم کے ذریعہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے عرب ان مغیبات پر ایمان لا سکے اور ان کی تصدیق کر سکے۔

ایمان کی تفسیر ایمان کے معنی لغت میں صرف تصدیق کے ہیں۔ تصدیق دل سے بھی ہوتی ہے اور زبان سے بھی۔ لیکن اصطلاح شرع شریف میں دل اور زبان دونوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔ اگر تصدیق صرف دل سے ہو اور زبان سے اس کا اقرار نہ ہو تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں۔ اصطلاح شرع شریف میں ایسے شخص کو جاحد کہتے ہیں۔ یعنی ضدی اور ہٹی۔ یہ کافر ہیں ان سے کافروں کی طرح سلوک کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم۔ کافروں نے آیات اللہ کا (زبان سے) انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کی تصدیق کر چکے تھے۔" دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اور آپ کی امانت وصداقت کو) کفار خوب پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔" البتہ ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کسی کو کلمۂ کفر زبان سے نکالنے پر زبردستی جبر و اکراہ کے ذریعہ مجبور کر دیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہے۔" تو ایسا زبردستی کا زبانی انکار ایمان قلبی اور تصدیق دلی پر اثر انداز نہ ہوگا۔ اور اگر زبان سے اقرار ہو اور دل میں تصدیق نہ ہو تو شرعاً اس کا بھی اعتبار نہیں۔ شرع شریف کی اصطلاح میں اس کو نفاق کہتے ہیں۔ منافقین کا

شمار اہل ایمان میں نہیں ہو سکتا۔ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم۔
منافق صرف اپنے منہ سے بولتے ہیں (ایمان کی باتیں)۔ جو ان کے دل میں نہیں ہے"
اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم
انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔ (اے نبی کریم) جب
آپکے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے
رسول ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کو بھی معلوم ہے کہ بے شک و شبہ آپ اسکے رسول ہیں۔ اور
اللہ گواہ ہے کہ منافقین جھوٹ بول رہے ہیں" یعنی آپکی رسالت کا اقرار ان کو
صرف زبان سے ہے۔ دل میں انکار ہے۔ لیکن ان کے ساتھ دنیا میں مسلمانوں کی
طرح سلوک کیا جائے گا۔ کیونکہ دل کا حال اللہ سبحانہ ہی کو معلوم ہے دوسرے اس سے
واقف نہیں۔ مگر آخرت میں ان کا حال کافروں سے بھی بدتر ہے۔ ارشاد الٰہی
ہے: ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یقین جانو کہ
منافقین دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے" خدا کی پناہ۔ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ منافقین کی شناخت کرا دی جاتی تھی۔ اب چونکہ
وحی منقطع ہے لہذا کسی کو منافق کہنا درست نہیں۔ ان کے معاملات کو علم الٰہی کے
تفویض کر دینا چاہیئے۔ اور کافر وہ ہیں جو نہ دل سے تصدیق کرتے اور نہ زبان سے

اقرار کرتے ہیں۔ اس تقریر سے۔ مومن، منافق، جاحد، اور کافر میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہو چکا۔

غیب کی تفسیر | غیب کی تفسیر میں حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں:۔ باللّٰہ وملائکتہ ورسلہ والیوم الآخر وجنتہ ونارہ ولقائہ والحیاۃ بعد الموت۔ (ابن جریرؒ ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کے تمام رسولوں (پیغمبروں) پر اور روز آخر پر اور اس کی جنت اور اس کی دوزخ پر اور اس سے ملنے پر اور مرنے کے بعد (دوبارہ) زندہ ہونے پر" اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ آمنوا بالبعث بعد الموت والجنۃ والنار وصدقوا بوعود اللہ الذی وعد فی ھذا القرآن۔ (ابن جریر) ایمان لائے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر اور جنت دوزخ پر اور اللہ سبحانہ نے اس قرآن کریم میں جو جو وعدے فرمائے ہیں ان تمام کی تصدیق کی" حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ ہے:۔ ان نافع بن الازرق قال لہ اخبرنی عن قولہ عزوجل الذین یؤمنون بالغیب قال ما غاب عنھم من امر الجنۃ والنار قال وھل تعرف العرب ذالک قال نعم اما سمعت ابا سفیان بن الحرث یقول ؎

وبالغیب آمنا وقد کان قومنا یصلون للاوثان قبل محمد

نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ خدائے عزوجل کا ارشاد ہے
الذین یؤمنون بالغیب اس سے مجھے باخبر فرمائیے تو انھوں نے فرمایا کہ جو چیزیں
ان سے چھپی ہوئی ہیں مثلاً جنت و دوزخ غیب سے یہی مراد ہے۔ اس پر نافع بن ازرقؓ
نے عرض کیا کیا عرب یہ معنی جانتے ہیں تو فرمایا ہاں جانتے ہیں۔ کیا تم نے حضرت
ابوسفیان بن حرثؓ (بن عبدالمطلب) کا یہ شعر نہیں سنا جس میں وہ فرماتے ہیں اور
جس کا ترجمہ یہ ہے :۔ اور ہم ان تمام چیزوں پر (جو ہم سے چھپی ہوئی ہیں) ایمان
لائے۔ درحالیکہ ہماری ساری قوم رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی بعثت شریفہ سے پہلے بت پرستی میں لگی ہوئی تھی۔

خبر واحد پر عمل کرنا بھی ایمان بالغیب ہے

حضرت تویلہ بنت اسلمؓ فرماتی ہیں: صلّیت الظھر او العصر فی مسجد بنی حارثۃ فاستقبلنا مسجد ایلیاء فصلّینا سجدتین ثمّ جاء نا من یخبرنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقبل البیت الحرام فتحوّل الرجال مکان النساء والنساء مکان الرجال فصلینا السجدتین الباقیتین ونحن مستقبلوا المسجد البیت الحرام فبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فقال اولئک قوم آمنوا بالغیب۔ (ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مندہ، ابونعیم) ہم مسجد

بنی حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز مسجد ایلیاء (بیت المقدس) کی طرف رخ کرکے ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ دو رکعتیں ادا کر چکے تھے۔ اتنے میں ایک صاحب نے آکر ہم کو خبر دی کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف رخ کرکے نماز ادا فرمائی۔ یہ سنتے ہی تمام مرد لوگ (جو اگلی صفوں میں تھے) پلٹ کر عورتوں کی جگہ (پچھلی صفوں میں آکر) کھڑے ہوگئے۔ اور عورتیں (جو پچھلی صفوں میں تھیں پلٹ کر) مردوں کی جگہ آن کھڑی ہوگئیں۔ اور بقیہ دو رکعتیں بیت الحرام کی طرف متوجہ ہوکر ادا کیں۔ پھر یہ خبر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو ارشاد فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاچکے ہیں۔" یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ ایک صحابی کے قول پر عمل کرنا بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیت الحرام کی طرف متوجہ ہوکر نماز ادا فرمانا ان لوگوں نے دیکھا نہ تھا۔ صرف انہوں نے خبر واحد پر عمل کیا۔

حرث بن قیس کا ایک واقعہ | حضرت حرث بن قیسؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

انّہ قال لابن مسعودؓ عند اللہ یحتسب ما سبقتمونا بہ یا اصحاب محمدؐ من رؤیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن مسعودؓ عند اللہ یحتسب ایمانکم بمحمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ولم تروہ انّ امر محمدؐ کان

بیّنا لمن رآہ والذی لآ الٰہ غیرہ ما آمن احد افضل من ایمان بغیب
ثم قرأ الٓمّٓ ذلک الکتاب لاریب فیہ الی قولہ المفلحون۔ (سفیان
بن عیینہ، سعید بن منصور، احمد بن منیع، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ)
انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عرض کیا کہ اے اصحاب محمدؐ! اللہ سبحانہ تعالیٰ
کے پاس اس کا اجر عظیم لکھا ہے کہ آپ حضرات جو حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم
کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئے اس امر میں آپ صاحبین نے ہم (بعد آنے
والوں سے) سبقت کی۔ (یہ شرف ہم کو نصیب نہ ہو سکا) اس پر حضرت ابن مسعودؓ
نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس اس کا بھی اجر عظیم لکھا ہوا ہے کہ حضور محمد مصطفےٰ،
احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تم لوگ ایمان لائے حالانکہ تم نے حضور اکرمؐ کو دیکھا
نہ تھا۔ حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ آپ کے دیکھنے والوں
کے لئے نہایت صاف اور واضح تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں
کہ ایمان بالغیب سے افضل اور کوئی ایمان نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کی تائید میں آپ نے
(سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں) الٓمّٓ ذلک الکتاب لاریب فیہ
سے مفلحون تک تلاوت فرمائیں " (جو اس تفسیر کے سرنامہ پر درج ہیں اور جس میں
(الذین یؤمنون بالغیب بصراحت ارشاد ہوا ہے)۔

حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ

امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ کنت جالساً مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انبئونی بافضل اھل الایمان ایماناً قالوا یا رسول اللہ الملائکۃ قال ھم کذلک ویحق لھم وما یمنعھم وقد انزلھم اللہ المنزلۃ التی انزلھم بھا قالوا یا رسول اللہ الانبیاء الذین اکرمھم اللہ برسالاتہ والنبوۃ قال ھم کذلک ویحق لھم وما یمنعھم وقد انزلھم اللہ المنزلۃ التی انزلھم بھا قالوا یا رسول اللہ الشھداء الذین استشھدوا مع الانبیاء قال ھم کذلک ویحق لھم وما یمنعھم وقد اکرمھم اللہ بالشھادۃ مع الانبیاء بل غیرھم۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت مبارک میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور نے (حاضرین مجلس) صحابہ سے دریافت فرمایا مجھے بتاؤ کہ اہل ایمان میں ایمان کے اعتبار سے افضل تر کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ ملائکہ کرام ہیں۔ ارشاد ہوا وہ (بیشک) ایسے ہی ہیں ان کو (ایمان کے اعتبار سے افضل تر ہونے کا) حق ہے اور اس میں ان کے لئے کیا امر مانع ہے؟ اور یہ ثابت و محقق ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو جو منزلت (عالیہ) دینی تھی دی ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (افضل ترین

ایمان والے) انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے پیامات رسالت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا (بے شک یہ حضرات بھی) ایسے ہی ہیں اور ان کو اس کا حق پہنچتا ہے اور ان کے لئے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے اور یہ محقق ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو اس منزلت رفیعہ میں رکھا ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ (افضل ترا یمان والے) شہدا ہیں جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی رفاقت دی یہاں تک کہ انھوں نے جام شہادت نوش کیا اور راہ خدا میں جان شیریں دیدی۔ اس پر بھی ارشاد مبارک ہوا کہ (یقیناً) یہ بھی ایسے ہی ہیں اور ان کو اس کا حق پہنچتا ہے اور اس میں ان کے لئے کیا چیز مانع ہوسکتی ہے؟ درحالیکہ اللہ سبحانہ نے ان کو یہ مرتبۂ عالیہ دیا ہے اس بنا پر کہ انبیاء علیہم السلام کا ساتھ دے کر اپنی جان راہ خدا میں جان آفریں کے سپرد کردی۔ ہماری مراد ان اصحاب کے سوا ہے " بتاؤ کہ افضل ترین ایمان والے اور کون ہیں؟

حضور انور کو بن دیکھے ایمان لانا بھی افضل تر ہے

قالوا فمن یا رسول اللہ! قال اقوام فی اصلاب الرجال یأتون من بعدی یؤمنون بی ولم یرونی ویصدقونی ولم یرونی یجدون الورق المعلق یعملون بما فیہ فھؤلاء افضل اھل الایمان ایمانا۔ (بزار، ابو یعلیٰ، مرہبی، حاکم بروایت صحیحہ) صحابہ نے عرض کیا

(جب ملائکہ کرام، انبیاء علیہم السلام اور شہداء آپ کی مراد نہیں) تو یا رسول اللہ؟ پھر کون لوگ ہیں؟ (جو ایمان کے اعتبار سے افضل ترین ہیں) ارشاد مبارک ہوا وہ قومیں مراد ہیں جو اس وقت لوگوں کی صلب میں ہیں۔ وہ میرے بعد (وجود میں) آئینگی۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے درحالیکہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ اور میری بیان کی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کریں گے حالانکہ مجھے انھوں نے نہیں دیکھا۔ ایک ورق لٹکا ہوا ان کو ملیگا اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس پر عمل کرتے رہیں گے۔ پس اس حقیقت کے نظر کرتے وہ لوگ ایمان کے اعتبار سے افضل ترین ہوں گے" اسی مضمون کی احادیث شریفہ حضرات عبداللہ بن عمرو، ابن عباس، ابوہریرہ، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ جو مختلف مواقع میں ارشاد ہوئی ہیں۔

حضور اکرم کی تمنائے ملاقات آنے والے امتیوں سے

حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک موقع پہ حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے یوں اپنا اشتیاق ظاہر فرمایا:۔ یالیتنی قد لقیت اخوانی قالوا یا رسول اللہ السنا اخوانك واصحابك قال بلی ولکن قوما یجیئون من بعدکم یؤمنون ایمانکم ویصدقونی تصدیقکم وینصرونی نصرکم فیا لیتنی قد لقیت اخوانی۔ (ابن ابی شیبہ) اے کاش! میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کر سکتا۔

حاضرین دربار نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی اور آپ کے اصحاب نہیں ہیں! ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن مجھے تمنا ہے اس قوم کی جو تمہارے بعد دنیا میں آئے گی وہ بھی تمہاری طرح ایمان لائیں گے اور تمہاری طرح میری تصدیق کریں گے اور تمہاری طرح میری نصرت اور مدد کرتے رہیں گے۔ (اس لئے میں پھر تمنائے اشتیاق ظاہر کرتا ہوں) اے کاش! میں اپنے بھائیوں سے ملا ہوتا؟ "

حضورؐ کے بعد آنے والے زیادہ اجر کے مستحق

حضرت ابوجمعہ انصاریؓ فرماتے ہیں:۔ قلنا یارسول اللہ هل من قوم اعظم منّا اجرا آمنّا بك واتّبعناك قال ما یمنعکم من ذلك ورسول اللہ بین اظهرکم یأتیکم الوحی من السماء بل قوم یأتون من بعدی یأتیهم کتاب بین لوحین فیؤمنون به ویعملون بما فیه اولٰئك اعظم منکم اجرا۔

(امام احمدؒ دارمیؒ باوردیؒ ابن قانعؒ تاریخ بخاریؒ طبرانیؒ حاکمؒ) ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا کوئی قوم ایسی بھی ہے جو ہم سے بھی عظیم تر ثواب کی مستحق ہوگی۔ ہم آپ پر ایمان لاچکے اور آپ کا اتباع کئے جارہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم کو اس سے کیا چیز مانع ہورہی ہے۔ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے اور تمہارے (سامنے) آسمان سے وحی نازل ہوتی جارہی ہے۔ بلکہ وہ لوگ (عظیم تر ثواب کے مستحق ہیں) جو میرے بعد آئیں گے

ان کے پاس دو تختیوں (دفتیوں اور مقووں) کے درمیان ایک کتاب آئے گی تو وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس میں جو کچھ لکھا ہوگا اس پر عمل کرتے رہیں گے وہ تمہارے مقابلہ میں عظیم تر ثواب پانے کے مستحق ہوں گے" یعنی اس بنا پر کہ وہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غائبانہ ایمان لائے ہوں گے۔

آنے والے امتیوں کیلئے خوشخبری

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:— ان رجلا قال یا رسول اللہ طوبی لمن رآک وآمن بک قال طوبی لمن رآنی وآمن بی وطوبی ثم طوبی ثم طوبی لمن آمن بی ولم یرنی (امام احمد ابن حبان) ایک صحابی عرض پرداز ہوئے کہ یا رسول اللہ! خوش نصیب ہے وہ جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ حضور اقدس کا ارشاد ہوا۔ (واقعی) خوش نصیب ہے وہ جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ اور وہ بھی خوش نصیب ہے خوش نصیب ہے خوش قسمت ہے جو مجھ پر ایمان تو لایا مگر مجھے دیکھنے نہ پایا" اسی کے مثل وہ حدیث شریف ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ آپ کے شاگرد حضرت نافع کا بیان ہے:— جاء رجل الی ابن عمر فقال یا ابا عبد الرحمن رأیتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعینکم هذه قال نعم قال طوبی لکم فقال ابن عمر الا اخبرك بشئ سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بلی

قال سمعتہ یقول قال طوبیٰ لمن رآنی وآمن بی وطوبیٰ لمن آمن بی ولم یرنی ثلاث مرّات۔ (ابوداؤد و طیالسی، عبد بن حمید) حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت ابن عمرؓ کی کنیت ہے) آپ جیسین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال باکمال اپنی ان آنکھوں سے دیکھا؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں (ہم جمال باکمال سے ضرور مشرف ہوئے) اس پر اس شخص نے کہا کہ آپ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تمہیں اس حدیث شریف سے باخبر نہ کروں جو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے سنی ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں (ضرور بیان فرمائیے۔) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے:۔

آپ نے ارشاد فرمایا خوشی نصیب ہو اس کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان بھی لایا۔ اور خوشی پر خوشی اور پھر خوشی نصیب ہو اس کو جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے دیکھا تک نہیں" اور حضرت انسؓ اور ابو امامہ باہلیؓ کی روایت میں سبع مرّات کی صراحت ہے۔ یعنی بن دیکھے جو مجھ پر ایمان لایا وہ بھی بڑا خوش نصیب ہے۔ اس جملہ کو حضور نے سات دفعہ دہرایا" یہ روایات ابوداؤد و طیالسی، مسند امام احمد، تاریخ بخاری، معجم طبرانی، مستدرک حاکم اور مسند ابو یعلیٰ میں مسطور ہیں۔ یہ احادیث بعد آنیوالے

عام امتیوں سے متعلق تھے۔

آنے والے امتیوں کا حب نبویؐ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوع ہے جس میں حضور خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔۔۔ ان ہی کے چند خاصان رسول سے متعلق یہ ارشاد مبارک بھی ہے:۔ انّ ناسامن امّتی یأتون بعدی یودّ احدھم لواشتری رؤیتی باھلہ ومالہ (حاکم) میری امت (مرحوم) کے کچھ لوگ جو میرے بعد آئیں گے ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہوگا کہ کاش اپنے اہل وعیال اور اپنا تمام مال دے کر میرے دیدار پُرانوار کو خرید لیا ہوتا۔"

سیّدی یاحبیبی مولائی لک مالی فدا سلامٌ علیک

سیّدی یاحبیبی مولائی لک روحی فدا سلامٌ علیک

سیّدی یاحبیبی مولائی لک اھلی فدا سلامٌ علیک

صحابۂ کرام اور اخوان میں فرق سلسلہ کلام طویل ہو رہا ہے جو کچھ عرض کیا گیا وہ "مشتے نمونہ از خروارے" کا مصداق ہے اب ایک حدیث شریف کے صرف ترجمہ کا خلاصہ عرض کر دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اخوان (بھائیوں) سے ملنے کی تمنا ظاہر فرمائی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا۔ تم تو میرے اصحاب ہو۔ میں اپنے بھائیوں سے

ملنے کی تمنا رکھتا ہوں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا۔ فرق یہ ہے کہ جب میں نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا تو تم میں سے بعض نے مجھ سے معجزہ طلب کیا۔ کسی نے بحث کی۔ کوئی درپے آزار ہوئے۔ کسی نے جدال و قتال کیا۔ کوئی منتظر رہے کہ دیکھو ان کی دعوت کا انجام کیا ہوتا ہے؟ جب سب اپنی ارمان چکے تو اسلام قبول کیا۔ جو لوگ میرے بعد آئیں گے ان کا یہ حال ہوگا کہ بغیر ان تمام مراحل کو طے کئے راست طور پر یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کے مصداق ہونگے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ فرض کردہ اعمال کے دس حصے ہیں اگر تم میری موجودگی میں نو حصوں پر عمل کرکے صرف ایک کو چھوڑ دوگے تو تم سے باز پرس ہوگی۔ اور بعد آنے والوں کا یہ حال ہوگا کہ اگر وہ عمل کے نو حصوں کو چھوڑ کر صرف ایک حصہ پر عمل پیرا رہیں گے تو ان کی نجات ہوجائے گی۔ آمدم برسر مطلب۔

غیب کے معنی غیب کے کئی معنی ہیں۔ ایک یہ کہ غیب سے دل مراد لیا جائے اس اعتبار سے یومنون بالغیب کے یہ معنی ہوں گے کہ متقین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ دل سے ایمان لاتے ہیں محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں لیتے۔ دوسرے معنی یہ کہ غیب کو مصدر قرار دیا جائے اور اس کے مصدری معنی مراد لئے جائیں اس صورت میں یومنون بالغیب کے معنی یہ ہونگے کہ غائبانہ بھی ایمان رکھتے ہیں یہ نہیں کہ صرف ملمانوں کو دکھانے کیلئے انکے سامنے ایمان ظاہر کرتے ہوں

اور ان کے غائبانہ اس کے خلاف تقریریں کریں جیسی کہ منافقین کی عادت ہے :-

اذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا و اذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن ۔ جب وہ ایمان داروں سے ملیں تو کہا کریں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شیطان صفت ساتھیوں کے ساتھ تخلیہ کریں تو کہا کریں کہ ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں ہم (اہل ایمان کے ساتھ) محض استہزا کر رہے ہیں" یہ منافقین ہیں متقی نہیں۔ متقی وہ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ ہوں تو ان کے سامنے بھی ایمان کی باتیں کریں اور جب ایمانداروں کا غائبانہ ہو تو اس وقت بھی ایمان ہی کی باتیں کرتے ہوں۔ غیب کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ غیب سے غائب مراد لیا جائے یعنی مصدر بمعنی اسم فاعل۔ اس معنی کے نظر کرتے یؤمنون بالغیب کے معنی یہ ہوں گے کہ جو چیزیں غائب ہیں یعنی حواس اور عقل سے بدیہی طور پر دریافت نہیں ہو سکتیں بلکہ نبوت و رسالت کی تعلیم پر موقوف و منحصر ہیں اور لسان شریعت ہی کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں ان سب چیزوں پر ایمان رکھتے یعنی ان کو مانتے اور دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتے ہیں وہی مومنین متقین ہیں۔

غیب کے اقسام

پھر غیب جو حواس و عقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہوسکے خواہ بمعنی مصدری ہو یا بمعنی اسم فاعل' اس کے علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم

نہ ہوسکے۔ یہ علم غیب ذاتی ہے ایسا علم خدائے علیم و خبیر کی ذات ستودہ صفات کیساتھ مختص ہے۔ اسی لئے غیر اللہ سے اس کی نفی فرمائی گئی ہے۔ مثلاً ارشاد باری عز اسمہٗ ہے:۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الّا ھو۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔" اسی طرح قرآن کریم میں متعدد آیات کریمہ ہیں جن میں حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے اس کی نفی فرمائی گئی ہے ان تمام آیات کریمہ میں غیب سے علم غیب ذاتی مراد ہے۔ اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہوسکی۔ غیب کی دوسری قسم وہ ہے کہ حواس و عقل سے ان کی دریافت نہ ہوسکنے کے باوجود لسان شریعت نے ان کو بیان فرمایا اور اس پر دلائل بھی قائم ہیں۔ جیسے صانع عالم کا وجود، اس کے صفات نبوت و رسالت اور اس کے لوازم و متعلقات، احکام شریعت، روز آخر اور اس کے احوال بعث حشر و نشر، حساب، سزا و جزا وغیرہ وغیرہ، تعلیمات الٰہیہ اور ہدایات نبویہ کے ذریعہ جن کا علم کرایا گیا اور ان کی تعلیم منجانب اللہ دی گئی۔ یہ بھی اگرچہ علم غیب ہے اس کا علم جس حد تک کہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہے ضروری اور اس پر ایمان رکھنا ظاہراً و باطناً واجب ہے۔ اس کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوسکتا۔ یہاں یؤمنون بالغیب سے غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے۔ نیز اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے مقبول

اور مقرب بندوں اولیائے کرام اور انبیاء و رسل علیہم السلام پر حسب مراتب غیب کے دروازے جو کھولتا ہے اس سے بھی غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب اور اللہ سبحانہ غیب پر تم کو مطلع نہیں کرتا "

اور یہ بھی ارشاد ہے :۔ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احد اا الامن ارتضیٰ من رسول۔ غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے " یعنی ہر قسم کے غیب کا علم ذاتی رکھنے والا تو فقط اللہ سبحانہٗ وحدہ لاشریک لہ ہے اس پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنی پسند کے مطابق اس کا علم عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا :۔ اعطیت علم الاولین والآخرین۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم عنایت فرمایا گیا۔ اور ارشاد باری ہے :۔

و علمك ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیما اور اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جن کو آپ جانتے نہ تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے " اور رسولوں کی اتباع کی بنا پر اولیاء بھی حسب مراتب اس سے بہرہ پاتے ہیں۔ اگرچہ معتزلہ اولیا کے علم غیب کے مطلقاً منکر ہیں۔ یہاں تک یؤمنون بالغیب یعنی غیب پر ایمان سے متعلق ارشاد ہوا۔ آئندہ عمل سے متعلق ارشاد ہو رہا ہے

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان میں عمل داخل نہیں۔

یقیمون الصلوٰۃ کی تفسیر

وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ اور (متقین کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ) قائم رکھتے ہیں نماز" یعنی نماز پابندی کے ساتھ وقت پر پڑھا کرتے، اس کے شرائط و ارکان پورے پورے ادا کرتے، فرائض وسنن ومستحبات کی ادائی پیش نظر رکھتے، مفسدات ومکروہات سے اس کو بچاتے ہیں۔ یہ نماز کے اعمال ظاہری ہیں اور آداب باطنی یہ کہ خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ یعنی دل کو ماسوی اللہ سے فارغ کر کے حق کی طرف متوجہ رہتے اور عرض و نیاز اور دعا و مناجات میں محو رہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے یقیمون الصلوٰۃ کی تفسیر میں فرمایا:۔ الصلوات الخمس (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن اسحاق)۔ یعنی نماز سے پانچوں نمازیں مراد ہیں" جو روزانہ رات دن میں فرض ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا:۔ یقیمونھا بفروضھا۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) یعنی ان پانچوں نمازوں کو ان کے فرائض کی نگہداشت کے ساتھ پابندی سے ادا کرتے رہتے ہیں" نیز نماز کو قائم رکھنے کی تفسیر یوں فرمائی:۔ اتمام الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع والاقبال علیھا فیھا۔ (ابن جریر) رکوع، سجود، تلاوت کو پوری پوری طرح ادا کرنا خشوع کے ساتھ اور نماز میں توجہ تام رکھنا۔ (اللہ سبحانہ کی طرف)" اس طرح کہ گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں یا

وہ ہم کو دیکھ رہا ہے) ۔حضرت قتادہؓ نے یوں تفسیر فرمائی :۔ اقامة الصلاة المحافظة علی مواقیتها ووضوئها ورکوعها وسجودها۔ (عبد بن حمید) نماز کو قائم رکھنے سے مراد ان کے اوقات کی پابندی، وضو و طہارت کا اہتمام اور رکوع و سجود (وغیرہ) کی ادائی“ صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعاء کے ہیں چونکہ نماز بھی دعا پر مشتمل ہے اس لئے صلوٰۃ اس کا نام رکھا گیا۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے :۔ الدعاء مخ العبادة ۔ دعا ہی عبادت کا مغز اور اس کا خلاصہ و ماحصل ہے ۔“ یہ عبادت بدنیہ ہوئی۔

مما رزقنٰهم ينفقون کی تفسیر وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں“ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے از راہ کرم ان کو جو حصہ دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں مستحقین پر خرچ کرتے رہتے ہیں ۔اس میں زکاۃ، نذر، اہل و عیال کا نفقہ اور صدقات نافلہ (خیرات و مبرات) سب داخل ہیں۔ ان میں سے زکاۃ فرض ہے اور نذر اور اہل و عیال کا نفقہ واجب اور خیرات و مبرات اور دیگر کارہائے ثواب نفل و مستحب ہیں۔

کلمۂ مِمَّا کا فائدہ جاننا چاہئے کہ یہاں مِمَّا رزقنٰهم ارشاد ہوا۔ ما رزقنٰهم نہیں فرمایا گیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ جو کچھ عنایت ہوا ہے وہ سب کا سب خرچ کر دینا مقصود نہیں بلکہ اس میں سے بعض کے خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے

چنانچہ زکاۃ مفروضہ اندوختہ کا چالیسواں حصہ دینا ہی آیا ہے۔ انتالیس حصے
انسان اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ نذر غیر معین ہے تو اس میں بھی اختیار ہے کہ اپنے
حسب نشا کچھ راہ خدا میں دے دیں۔ البتہ نذر معین کی صورت میں جتنی مقدار دینے کا
عہد کیا گیا ہے اس کی ادائی واجب ہوگی۔ اس میں بھی موقع ہے کہ اتنی مقدار ہی
معین کریں جو گراں نہ گزرے۔ اہل وعیال کا نفقہ بھی حسب حیثیت واجب ہے
حیثیت سے زائد واجب نہیں۔ خیرات ومبرات تو صدقات نافلہ میں شامل ہے۔
اس میں چالیسویں حصہ کی بھی قید نہیں۔ اور اپنا کل مال دیدینے کی تو ممانعت بھی
فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔ ولا تغلل یدك الی عنقك ولا تبسطھا کل
البسط فتقعد ملوما محسورا۔ نہ اپنا ہاتھ اپنے گلے میں لٹکا لو (کہیں کچھ نہ دو گا)
اور نہ اس کو پوری طرح کھول دو۔ اس صورت میں تم ملامت کئے ہوئے حسرت زدہ ہو کر
بیٹھ جاؤ گے۔" بلکہ کچھ دو اور باقی اپنے لئے اٹھا رکھو۔ یہی معتدل صورت ہے۔
اور اللہ سبحانہ کو بھی پسندیدہ۔ اگر پورا مال راہ خدا میں دیدینے کا حکم ہوتا تو بہت
گراں گزرتا۔ ہاں جو نفوس قدسیہ ایسے ہیں کہ اللہ سبحانہ پر اعتماد کامل رکھتے ہیں
اور پورا مال دیدینے کی صورت میں بھی ان کے توکل اور اعتقاد میں فرق نہیں آتا وہ
مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہم کے موقع پر اپنا

پورا مال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دیا۔ جب ارشاد مبارک ہوا کہ گھر میں کیا رکھ چھوڑا تو کمال اطمینان سے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول کو رکھ چھوڑا ہے۔ یا جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو دفعہ اپنا پورا اثاثہ مسلمانوں کو لوٹ لینے کے لئے فرمایا اور خود گھر سے باہر نکل آئے۔

رزق اور انفاق کے معانی رزق کے معنی لغت میں بہرہ اور حصے کے ہیں۔ اور عرف عام میں اللہ سبحانہ کے خزانۂ غیب سے جو حصہ ہر ایک کیلئے لکھ دیا گیا ہے اور اس کے خوان نعمت سے ہر شخص فیض یاب ہو رہا ہے اس کو رزق کہتے ہیں۔ ینفقون' انفاق سے مشتق ہے۔ انفاق کے معنی ہیں:—

"الاخراج عن الید والملک اپنے قبضہ اور ملکیت سے کسی چیز کو خارج کر دینا" جس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ اپنے قبضے اور ملک سے خارج کر کے کسی چیز کو دوسرے کے قبضے اور ملکیت میں دے دینا۔ یہ بھی مومنین متقین کی صفت اور ان کی نشانی ہے۔

دین متین اسلام کے تین اہم اصول ہیں۔ ایک عقیدۂ صحیحہ' دوسری عبادت بدنیہ' اور تیسری عبادت مالیہ۔ الحمد للہ کہ یہ تینوں اہم اصول اس مختصر سی آیہ کریمہ میں سمائے گئے ہیں۔ اسی سے قرآن کریم کا اختصار اور جامعیت ظاہر ہے۔ یومنون بالغیب کے ذریعہ عقیدہ صحیحہ کی تلقین کی گئی۔ اور یقیمون الصلاۃ سے عبادت بدنیہ کی

طرف اشارہ فرمادیا گیا اور ومما رزقنھم ینفقون کے ذریعہ عبادت مالیہ کی تعلیم دی گئی۔ ہاں روزہ وہ بھی عبادت بدنیہ ہے اور حج عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ دونوں سے مرکب ہے۔

تفسیر بالا کی تائید ائمہ تفسیر کے اقوال سے

حضرت ابن عباس نے وممارزقناھم ینفقون کی تفسیر میں فرمایا:۔ زکاۃ اموالھم۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن اسحاق) اس سے لوگوں کے اموال کی زکاۃ مراد ہے۔" دوسرے موقع پر فرمایا:۔ یؤدون الزکاۃ احتسابالھا۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) یعنی وہ اجر و ثواب کے خیال سے زکاۃ ادا کرتے ہیں۔" حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ انفقوا فی فرائض اللہ التی افترض اللہ علیھم فی طاعتہ و سبیلہ۔ (عبد بن حمید) انھوں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائی میں جو اللہ نے ان پر فرض قرار دئے تھے۔ اس کی طاعت کے خیال سے اس کی راہ میں خرچ کیا۔" حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:۔ انما یعنی الزکاۃ خاصۃ دون سائر النفقات لایذکر الصلاۃ الاذکر معھا الزکاۃ فاذ الم یسم الزکاۃ قال فی اثر ذکر الصلاۃ ومما رزقنھم ینفقون۔ (ابن المنذر) یہاں خصوصیت سے زکاۃ ہی مراد ہے۔ دیگر ابواب خیر مراد نہیں۔ کیونکہ (قرآن کریم کا سیاق اس طرح ہے کہ)

نماز کے ذکر کے ساتھ عموماً زکاۃ کا بیان فرمایا جاتا ہے پھر جب یہاں نماز کے ساتھ زکاۃ کا نام نہیں لیا گیا تو اس کے بعد مما رزقناھم ارشاد ہوا" لہذا اس سے زکاۃ ہی مراد ہے" حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ ھی نفقۃ الرجل علی اھلہ۔ (ابن جریر) انسان اپنے اہل وعیال پر جو کچھ (ان کے نفقہ کے سلسلہ میں) خرچ کرتا ہے" وہی نفقہ مراد ہے۔ حضرت ضحاک جو ائمہ تفسیر سے ہیں فرماتے ہیں:۔ کانت النفقات قربانا یتقربون بھا الی اللّٰہ علی قدر میسورھم وجھدھم حتی نزلت فی سورۃ براءۃ ھن الناسخات المبینات۔ (ابن جریر) اوائل اسلام میں مالی صدقات، تقرب الی اللہ کے لئے ادا کئے جاتے تھے لوگ اپنی سہولت و استطاعت کے مطابق اس میں حصہ لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۂ براءت (سورۂ توبہ) میں آیات زکاۃ (انما الصدقات للفقراء والمساکین) نازل ہوئیں (اور سورۂ توبہ کی ان آیات نے) سابقہ صدقات (کی فرضیت) کو منسوخ کر دیا لہذا آیات زکاۃ" دیگر صدقات کی آیات کے لئے ناسخ اور حکم بیان کرنے والی قرار پائیں" اب دیگر صدقات و ابواب خیر فرض نہیں رہے نوافل ہیں۔ صرف زکاۃ فرض ہے اور نذر اور اہل وعیال کا نفقہ واجب جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

یؤمنون بما انزل کی تفسیر

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۔ اور وہ

جو ایمان لائیں اس پر جو اترا آپ پر اور اس پر بھی جو اترا آپ

سے پیشتر۔ سابقہ آیہ کریمہ الذین یؤمنون بالغیب سے مکہ کے مسلمان مراد تھے

جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے

تھے ۔ اور اس آیت شریفہ میں اہل کتاب سے جو لوگ مشرف ہوئے ان کا بیان

فرمایا جارہا ہے جن کا سابقہ کتب الٰہیہ پر بھی ایمان تھا پھر قرآن کریم پر بھی ایمان

لائے ۔ یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ جملہ کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن کریم

ہو یا توریت' زبور ہو یا انجیل صحف ابراہیم ہوں یا اور تمام صحیفے جو انبیاء مرسلین

صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے ان میں سے

کسی ایک کتاب یا صحیفہ کا انکار بھی کفر ہے ۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے

چونکہ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کیا اس لئے کافر قرار پائے ۔ البتہ

ان میں سے جن لوگوں نے قرآن کریم کو کتاب اللہ مانا وہ مسلمان قرار دئیے جائیں گے

یہاں ان ہی لوگوں کا بیان فرمایا جارہا ہے ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :- ثلاثۃ لھم اجران رجل

من اھل الکتاب آمن بنبیہ وآمن بمحمد ۔ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے

دوہرا ثواب ہے۔ ان میں سے ایک وہ جو اہل کتاب سے تھا۔ اپنے نبی پر ایمان لایا اور حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔" یہ بھی یاد رہے کہ الذین یؤمنون بالغیب سے اگرچہ مشرکین مکہ مراد ہیں جو مشرف باسلام ہوئے اور الذین یؤمنون بما انزل الیک مسلمانان اہل کتاب کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہے لہٰذا اس سے کل مسلمان مراد ہوں گے۔

قرآن کریم کی طرح تمام کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے

یاد رہے کہ جس طرح قرآن کریم پر ایمان لانا ہر عاقل و بالغ پر فرض عین ہے اسی طرح انبیائے سابقین پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان سب پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ لیکن کتب سابقہ میں جو احکام ہیں ان سب پر عمل نہ ہو گا کیونکہ ہماری شریعت میں ان کے بعض اعمال منسوخ ہو چکے۔ مثلاً ان کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ ہماری شریعت میں یہ حکم منسوخ ہو چکا اور مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہوا۔ اب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ کتب سابقہ پر اجمالاً ایمان کافی ہے اور قرآن کریم پر تفصیلاً ایمان لانا فرض کفایہ ہے یعنی امت مرحومہ کے چند افراد بھی تفصیلی ایمان والے ہوں تو پوری امت کے لئے بس ہے۔ دوسروں پر سے یہ فرض ساقط

ہو جائے گا۔ اگر امت میں کوئی بھی تفصیلی ایمان والا نہ ہو تو سب ماخوذ ہوں گے۔
قرآن کریم کا تفصیلی علم حاصل کرنا امت کے تمام افراد پر فرض نہیں بلکہ بعض افراد ایسے
موجود ہوں جنھوں نے تفصیلی علم کی تحصیل میں پوری جد و جہد کی ہو۔ لہٰذا علمائے دین کی ایک
جماعت ہر زمانے میں ہر مقام پر موجود رہنا ضروری ہے تاکہ عامۃ المسلمین کی دینی
پیشوائی اور رہبری کر سکتے ہوں۔

آخرت پر ایمان لانے کا بیان

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اور وہ آخرت پر
یقین رکھیں " یعنی یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جو ہر قسم
کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور یہ ان متقیوں کی ہدایت کا سامان ہے جو
غیب پر ایمان رکھتے نماز قائم کرتے اور ہمارے دئے ہوئے رزق کو ہماری راہ
میں خرچ کرتے، قرآن کریم پر ایمان لاتے اور اگلی تمام کتابوں پر بھی ایمان لاتے
اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں " حضرت ابن عباسؓ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے
ہیں :۔ ای بالبعث والقیامۃ والجنۃ والنار والحساب والمیزان ای
لا ھؤلاء الذین یزعمون انھم آمنوا بما کان قبلک ویکفرون
بما جاءک من ربک ۔ (ابن اسحاق، ابن جریرؒ ابن ابی حاتم) یعنی قبروں سے
اٹھائے جانے، اور قیامت، اور جنت و دوزخ، اور حساب و میزان عمل پر جو یقین

رکھتے ہیں (وہ متقین مراد ہیں خواہ وہ اہل کتاب سے ہوں یا دوسرے) نہ کہ وہ جن کا دعویٰ اور زعم ہے کہ (اے نبی کریم!) آپ سے پہلے جو (انبیا اور کتابیں تخصیص صرف) ان پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے پروردگار کے پاس سے آپکے ہاں جو (کتاب) آئی ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔" ایسے مدعیان کا ذب کا شمار مومنین میں نہیں ہوسکتا۔

اولٰئک علی ھدی کی تفسیر

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔" یعنی متقین جن کے اوصاف اوپر گنائے گئے اور جن کی نشانیاں بتلائی گئیں وہی اس ہدایت اور راہ پر ہیں جن کی رہنمائی پروردگار تعالیٰ نے فرمائی ہے اور وہی شاد کام فائز المرام ہیں۔ آخرت دنیا کی ضد ہے۔ دُنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسانی زندگی سے قریب تر ہے یعنی انسان کو اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ یہیں بسر کرنا پڑتا ہے۔ اور آخرۃ کو آخرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا عہد بعد کو اور دنیا کے پیچھے آتا ہے۔ مومن کیلئے دارِ آخرت پر یقین لانا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا۔ دنیا میں جتنے پیغمبر تشریف لائے اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان سب کی تعلیم

یہی رہی ہے کہ آخرت پر یقین رکھیں۔ اس کے حق ہونے میں کسی قسم کا ریب وشک نہ رہے خواہ یہ یقین غور و فکر کے ذریعہ حاصل ہو یا کتاب اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے توسط سے حضرت قتادہ فرماتے ہیں: — آمنوا بالبعث بعد الموت والحساب والجنة والنار وصدقوا بموعود الله الذی وعد فی هذا القرآن ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) ایمان لائیں اور یقین جانیں مرنے کے بعد (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھائے جانے پر۔ اور حساب پر اور جنت و دوزخ پر اور اللہ سبحانہ نے اس قرآن کریم میں جو جو وعدے دئے ہیں ان سب کی تصدیق کریں"۔

آیہ بالا کی تفسیر امام تفسیر کے قول سے

حضرت قتادہؓ نے اولئک علی هدی کی تفسیر میں فرمایا: — استحقوا الهدی والفلاح بحق فاحقه الله لهم وهذا نعت اهل الایمان۔ (عبد بن حمید) صفات مسطورۂ بالا رکھنے والے متقین، حقیقی طور پر ہدایت اور کامیابی کے مستحق ٹھہرے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہدایت و کامیابی کا مستحق قرار دیا"۔ بہرحال ہدایت و کامیابی اہل ایمان کی صفت ہے "۔ جیسا کہ اوپر هدی للمتقین ارشاد ہوا تھا۔ اس ہدایت کے ساتھ آخرت کی کامیابی کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔ ایمان والوں کا جس درجہ تقوی ہوگا۔ ان کی ہدایت و کامیابی بھی اسی مناسبت سے ہوگی۔

قرآن کریم میں چار فریق کا بیان ہے

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ ھٰؤلآء الآیات الاربع فی اوّل سورۃ البقرۃ الی المفلحون نزلت فی نعت المؤمنین و اثنتان من بعدھا الی عظیم نزلت فی نعت الکافرین والی العشر نزلت فی المنافقین۔ (وکیع) سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مفلحون تک ایمان والوں کی شان میں ہیں۔ (جو اوپر گزر چکیں) اور ان کے بعد کی دو آیتیں کافروں کے بیان میں ہیں۔ (جو اس کے بعد آرہی ہیں) اور ان کے بعد کی دس آیتیں منافقین کے باب میں ہیں۔" (جو آگے آئینگی)۔ اور حضرت انسؓ نے فرمایا:۔ اربع آیات من فاتحۃ سورۃ البقرۃ فی الذین آمنوا و آیتان فی قادۃ الاحزاب۔ (ابن جریر) چار آیتیں سورۂ بقرہ کی ابتدا سے ایمان والوں کے وصف میں ہیں اور ان کے بعد کی دو آیتیں جماعات کفار کے قائدین کے بیان میں ہیں۔" حضرت مجاہد نے یہ بھی فرمایا:۔ من اوّل البقرۃ اربع آیات فی نعت المؤمنین و آیتان فی نعت الکافرین و ثلاث عشرۃ آیۃ فی نعت المنافقین و من اربعین آیۃ الی عشرین و مائۃ فی بنی اسرائیل۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن الضریس، ابن جریر، ابن المنذر) سورۂ بقرہ کی ابتدا سے چار آیتیں مومنین کے وصف میں، اور دو آیتیں کافروں کے بیان میں، اور تیرہ

آیتیں منافقین کے باب میں، اور چالیسویں آیت سے ایک سو بیسویں آیت تک بنی اسرائیل کے بیان میں آئی ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ قرآن کریم میں ان ہی چار فرقوں کا بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ دنیا بھر کے تمام انسان ان ہی چار اقسام میں منقسم ہیں۔

بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں آیات فاضلہ ہیں

ان آیات کریمہ کا شمار آیات فاضلہ میں ہے۔ احادیث شریفہ میں ان کے فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ ان کے پڑھنے سے فوائد مہمہ حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔

كنت عند النبي صلى الله عليه وسلم فجاء اعرابي فقال يا نبي الله ان لي اخا وبه وجع قال وما وجعه قال به لمم قال فائتني به فوضعه بين يديه فعوذه النبي صلى الله عليه وسلم بفاتحة الكتاب واربع آيات من اول سورة البقرة وهاتين الآيتين والهكم اله واحد وآية الكرسي وثلاث آيات من آخر سورة البقرة ...... فقام الرجل كانه لم يشتك قط۔ (عبداللہ بن احمد حاکم بیہقی) حضور سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمن کی خدمت مبارک میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک اعرابی نے آکر عرض کیا۔ اے خدا کے پیارے نبی! میرا ایک بھائی ہے جو سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا اس کو کیا تکلیف ہے؟ اعرابی نے عرض کیا اس کو (قوم جن کا) آسیب ہو گیا ہے

ارشاد ہوا کہ اس کو یہاں لاؤ۔ وہ اس کو اٹھا لایا اور سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس پر دم کیا، جس میں سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ کی ابتدائی یہ چار آیتیں اور (سورۂ بقرہ کی آیۂ کریمہ) والٰھکم الٰه واحد اور آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ ہی کی آخری تین آیتیں اور چند آیات (نیز دوسری سورتوں کی کچھ آیتیں) شامل تھیں۔ ساتھ ہی وہ شخص اٹھ کھڑا ہو گیا گویا کہ اس کو کوئی شکایت ہی نہ تھی۔"

آیات اربعہ سے شیطان اور جنوں کا دفعیہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:— من قرأ اربع آیات من اوّل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی وثلاثا من آخر سورۃ البقرۃ لم یقربه ولا اهله یومئذ شیطان ولا شیئ یکرهه فی اهله ولا ماله ولا یقرأن علی مجنون الا افاق۔ (دارمی، ابن الضریس) جس نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں، اور آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں پڑھ لیں تو اس دن شیطان نہ اس کے پاس پھٹک سکیگا اور نہ اس کے اہل و عیال کے پاس، اور کوئی ناگوار چیز نہ ان کو لاحق ہو سکے گی اور نہ ان کے مال میں کوئی ناگوار بات پیدا ہو گی۔ اور ان آیات کریمہ کو کسی مجنون پر پڑھ کر دم کیا جائے تو اس کو افاقہ ہو جائے گا۔" اسی کی ہم معنی یہ روایت بھی ہے:—

سورہ بقرہ کی دس آیتوں سے شیطان کا دفعیہ

حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: من قرأ عشر آیات من سورۃ البقرۃ فی لیلۃ لم یدخل ذلک البیت شیطان تلک اللیلۃ حتی یصبح اربع من اولها وآیۃ الکرسی وآیتان بعدها وثلاث خواتیمها اولها للّٰہ ما فی السمٰوات۔ (دارمی ابن المنذر طبرانی) جس کسی نے رات کو (گھر میں) سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھ لیں تو صبح ہونے تک اس گھر میں شیطان داخل نہ ہوسکیگا۔ ابتدائی چار آیتیں، آیۃ الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں جن کی ابتدائی آیت للّٰہ ما فی السماوات سے شروع ہوتی ہے" حضرت عبداللہ بن سبیعؒ جو حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ سے ہیں فرماتے ہیں:۔ من قرأ عشر آیات من البقرۃ عند منامه لم ینس القرآن اربع آیات من اولها وآیۃ الکرسی وآیتان بعدها وثلاث من آخرها (سعید بن منصور، دارمی، بیہقی) جو کوئی شخص سوتے وقت سورۂ بقرہ کی (مذکورۃ الصدر) دس آیتیں پڑھ لے وہ قرآن کریم (پڑھا ہوا یا حفظ کیا ہوا) بھولنے نہ پائے گا۔

بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات دفن کے بعد پڑھنے کی تاکید

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے:۔

اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قابرہ ولیقرأ عند راسہ بفاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ سورۃ البقرۃ فی قبرہ۔ (طبرانی بیہقی) جب تم میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو اس کو (دیر تک) روک نہ رکھو۔ (جہاں تک ہو سکے) اس کو اس کی قبر تک جلد پہنچا دو۔ اور چاہیئے کہ اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی (چار آیتیں مفلحون تک) اور اس کے پائینتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے) قبر کے پاس پڑھی جائیں'' جنازہ جلد اٹھانے میں یہ فائدہ ہے کہ اگر وہ نیک ہے تو اس کو اس کی نیکی کی طرف جلد پہنچا دو تاکہ وہ اپنی نیکیوں سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ یہاں روک رکھنے میں کیا رکھا ہے؟ اور اگر وہ بد ہے تو یہ بلا اپنے سر سے جلد اتار دو۔ اور ان آیات کریمہ میں ایمان والوں کے اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ میت نیک ہو تو ان کی تلاوت کا فائدہ ظاہر ہے کہ یہ ان اوصاف کا حامل تھا۔ اور اگر وہ ان اوصاف کا حامل نہ تھا تو کم از کم اس کا قائل تو تھا۔ یہ بھی اس کے لئے فائدے سے خالی نہیں۔

حضرت علاء کی وصیت

حضرت عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاجؒ فرماتے ہیں کہ

ان کو ان کے والد ماجد حضرت علاء بن لجلاجؓ نے وصیت فرمائی :۔ یا بنی اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ثم سن علی التراب سنا ثم اقرأ عند رأسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمتہا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذلک ۔ (طبرانی) اے برخوردار! جب تم مجھے میری لحد میں رکھنے لگو تو یوں کہو :۔ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ (اللہ کے نام سے قبر میں اتار رہا ہوں اور یہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت پر تھے ۔) پھر مجھ پر مٹی ڈال دو ۔ پھر میرے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور (پائنتی) اس کی آخری آیتیں پڑھ دو ۔ کیونکہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی ہدایت فرماتے ہوئے سنا ہے ۔

آیات حرب کی فضیلت حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے یہ حدیث شریف بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔

من قرأ فی لیلۃ ثلاثا وثلاثین آیۃ لم یضرہ فی تلک اللیلۃ سبع ضار ولا لص طار وعوفی فی نفسہ واھلہ ومالہ حتی یصبح۔ اربع آیات من اول البقرۃ الی قولہ المفلحون وآیۃ الکرسی وآیتین بعدھا الی قولہ خالدون والثلاث آیات من آخر البقرۃ للہ ما فی السماوات وما فی الارض الی آخرھا وثلاث آیات من الاعراف

ان ربکم اللہ الی قولہ من المحسنین، وآخر بنی اسرائیل قل ادعوا اللہ

او ادعوا الرحمٰن الی آخرھا، وعشر آیات من اول الصافات الی قولہ

لازب، وآیتان من الرحمٰن یا معشر الجن والانس الی قولہ فلا تنتصران

ومن آخر الحشر لو انزلنا ھٰذا القرآن علی جبل الی آخر السورۃ،

وآیتان من قل اوحی الی وانہ تعالیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ

الی قولہ شططا۔ جو کوئی شخص رات میں یہ (۳۳) تینتیس آیتیں پڑھ لے تو اس

رات میں نہ کوئی ضرر رساں درندہ اس کو ضرر پہنچا سکیگا اور نہ کوئی جیب کترا چور

اس کا کوئی نقصان کرسکیگا۔ اور صبح ہونے تک اس کی جان، مال اور اہل وعیال،

میں عافیت رہے گی۔ (تینتیس آیتیں یہ ہیں):۔ سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار

آیتیں المفلحون تک، آیۃ الکرسی، اور اس کے بعد کی دو آیتیں خالدون تک

اور آخر بقرہ کی تین آیتیں للہ ما فی السماوات وما فی الارض سے آخر سورت

تک، اور سورۂ اعراف کی یہ تین آیتیں ان ربکم اللہ سے من المحسنین تک،

اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیتیں قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن سے

آخر سورت تک، اور دس آیتیں سورہ صافات کی ابتدا سے لازب تک، اور

سورۂ الرحمٰن کی یہ دو آیتیں یا معشر الجن والانس سے فلا تنتصران تک،

اور سورۂ حشر کی آخری آیتیں لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل سے آخر سورت تک
اور دو آیتیں سورۂ جن کی وانّہ تعالیٰ جدّ ربّنا سے شططا تک ۔"

ابن سیرین کا ایک نادر واقعہ

حضرت محمد بن سیرین راوی حدیث فرماتے ہیں: ۔ نزلنا بھم بسیری فاتانا اھل ذلك المنزل فقالوا ارحلوا فانّہ لم ینزل عندنا ھذا المنزل احد الّا اخذ متاعہ فرحل اصحابی وتخلّفت للحدیث الذی حدّثنی ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلمّا امسینا لم انم حتّی رأیتھم قد جاءوا اکثر من ثلاثین مرّۃ مخترطین سیوفھم فما یصلون الیّ ۔ فلمّا اصبحت رحلت فلقینی شیخ منھم فقال یا ھذا انسیّ ام جنّیّ قلت بل انسیّ قال فما بالك لقد اتیناك اکثر من سبعین مرّۃ کل ذلك یحال بیننا وبینك بسور من حدید فذکرت لہ الحدیث ۔ (ہم ایک سفر میں تھے شام ہوئی تو) ایک منزل میں اتر پڑے ۔ اتنے میں وہاں کے باشندے ہمارے پاس آئے اور کہا کہ یہاں سے کوچ کرو کیونکہ جو کوئی شخص (رات) یہاں بسیرا لیتا ہے اس کا مال ومتاع لوٹ لیا جاتا ہے ۔ یہ سن کر میرے تمام ساتھی وہاں سے چل بسے اور (اکیلا) میں ٹھہرا رہا اس حدیث شریف کی بنا پر جس کو حضرت ابن عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

روایت فرما رہے تھے (جو اوپر گزری) جب شام ہوئی تو میں سو نہ سکا تا آنکہ میں نے ان کو دیکھ لیا کہ تیس دفعہ سے زیادہ اپنی تلواریں سوت کر آرہے تھے۔ لیکن وہ مجھ تک پہنچ نہ سکتے تھے اسی حالت میں صبح ہوئی تو میں نے وہاں سے کوچ کیا۔ اتنے میں ان کا ایک بوڑھا مجھے ملا اور کہنے لگا کہ اے شخص! تم کون ہو؟ انسان ہو یا جن؟ میں نے جواب دیا (جن نہیں) بلکہ انسان ہوں۔ اس نے کہا پھر کیا بات ہے کہ ہم نے ستر دفعہ سے زیادہ تمھارے پاس آنے کی کوشش کی۔ ہر دفعہ ہمارے اور تمھارے درمیان ایک آہنی دیوار کھینچی ہوئی ہوتی تھی۔ اس پر میں نے اسکو حدیث بالا سنائی۔"

آیات حرب ہر مرض کی دوا، اگرچہ مرض لاعلاج ہو

حضرت محمد بن سیرین کا یہ بھی بیان ہے:۔ فذكرت هذا الحديث لشعيب بن حرب فقال لي كنّا نسمّيها آيات الحرب ويقال انّ فيها شفاء من كلّ داء فعدّ عليّ الجنون والجذام والبرص وغير ذلك قال محمّد بن عليّ فقرأتها على شيخ لنا قد فلج حتّى اذهب الله عنه ذلك۔ (ابن النجار) پھر میں نے حضرت شعیب بن حرب سے اس حدیث شریف کا ذکر کیا (اور اپنا واقعہ بھی سنایا) انھوں نے مجھ سے فرمایا ان آیات کریمہ کا ہم نے آیات حرب نام رکھا تھا (یعنی جنگ میں پڑھنے کی آیتیں) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان آیات کریمہ میں

ہر بیماری کا دفعیہ ہے چنانچہ انھوں نے چند (لاعلاج امراض) جنون، جذام اور
برص وغیرہ کا بھی گن گن کر نام لیا۔ حضرت محمد (باقر) بن علی (زین العابدین)
علی جدہا وعلیہما السلام نے فرمایا میں بھی ان کو ہمارے ایک فالج زدہ ضعیف العمر
شخص پر پڑھا تھا اللہ پاک نے اس سے اس مرض کو دفع فرمادیا۔"

6. إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لا يُؤْمِنُونَ 6
7. خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ 7

ع

برابر ہے ان کو آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لانے کے مُہر لگادی اللہ نے
ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے
عذاب ہے بڑا۔"

آیات صدر کی تفسیر | اوپر کی آیات کریمہ میں متقین (اولیاء اللہ) کا بیان تھا
جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ ان اولیآؤہ الا المتقون متقین ہی اس کے مقرب
اور دوست ہیں۔" اب ان کی ضد یعنی اعداء اللہ کا بیان فرمایا جارہا ہے اور
یہ دونوں آیتیں کفار ہی کے بیان میں ہیں لیکن یہاں وہ کافر مراد ہیں جن کا کفر پڑا
رہنا علم الٰہی میں ثابت ومحقق ہوچکا کہ وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے چنانچہ ارشاد ہورہا ہے

(اے نبی کریم!) آپ ان کو آخرت سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں صورتیں برابر ہیں
وہ اپنے کفر سے نکلنا نہیں چاہتے، جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ جن کا خاتمہ کفر ہی پر
ہوا۔ اللہ نے بھی ان کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے لہذا وہ ایمان کی حقیقت سمجھ نہیں
سکتے۔ اور ان کے کانوں پر بھی مہر لگا دی ہے اب وہ ایمان کی بات سن نہیں سکتے۔
اور ان کی آنکھوں پر (غفلت و نکبت کا) پردہ پڑا ہوا ہے اب حق بات ان کو دکھائی
نہیں دے سکتی۔ (یہ تو ان کی دنیوی تباہی تھی) اور ان کی آخرت کی تباہی یہ ہے کہ
ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے ایسا کہ عذاب کے دیگر اقسام میں سے جو عذاب بھی
تصور کیا جائے ان کا عذاب اس سے بہت بڑا ہوگا۔ پھر اس عذاب عظیم سے وہ کبھی
نکل نہیں سکیں گے۔

ان آیات سے خاطر اقدس کی تسکین مطلوب ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحرص ان یؤمن جمیع
الناس و یتابعوہ علی الھدی فاخبرہ اللّٰہ انّہ لا یؤمن الا من سبق
لہ من اللّٰہ السعادۃ فی الذکر الاوّل ولا یضلّ الّا من سبق لہ من اللّٰہ
الشقاء فی الذکر الاوّل۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) حضور
رحمۃ للعالمین علیہ افضل صلوات المصلین وازکی سلام المسلمین کی ہمیشہ یہ آرزو رہتی تھی کہ

تمام لوگ ایمان لائیں اور جو ہدایت آپ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اس کا اتباع کریں۔ (لیکن نتیجہ ایسا برآمد نہ ہونے سے آپ ملول خاطر رہتے تھے آپ کی تسلی کے لئے) حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر فرمادیا کہ مشرف بایمان وہی ہوگا کہ علمِ الٰہی ازلی میں جس کی سعادت کا فیصلہ فرمادیا گیا ہو اور (اسی طرح) گمراہی پر بھی وہی اڑا ہوا رہیگا کہ علم الٰہی ازلی میں شقاوت کا فیصلہ صادر فرمادیا گیا ہو۔ لہذا آپ کے ملول رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے اور بس۔

صحابۂ کرام کی خشیت اور حضور اکرمؐ کی وضاحت

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: قیل یارسول اللّٰہ انا نقرأ من القرآن فنرجو و نقرأ فنکاد نیأس فقال الا اخبرکم عن اهل الجنّة وعن اهل النار قالوا بلٰی یارسول اللّٰہ قال الٓمٓ ذٰلك الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین الی قوله المفلحون هؤلآء اهل الجنّة قالوا انّا نرجو ان نکون هؤلآء ثم قال انّ الذین کفروا سوآء علیهم ءانذرتهم الی قوله عظیم هؤلآء اهل النار قلنا لسنا هم یارسول الله قال اجل۔ (ابن ابی حاتم) حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو (جنت کے) امیدوار بنے رہتے ہیں۔ پھر (کچھ حصے کی) تلاوت کرتے ہیں تو قریب قریب مایوسی سی

معلوم ہوتی ہے (یہ کیا بات ہے؟) اس پر ارشاد مبارک ہوا کیا میں تم کو خبر نہ دوں کہ اہل جنت کون ہیں اور اہل نار کون؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور ارشاد فرمائیے یا رسول اللہ! (یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں) آپ نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیات مفلحون تک تلاوت فرمائیں پھر ارشاد ہوا کہ یہ لوگ (جو ان صفات کے حامل ہیں وہ) جنتی ہیں۔ ہم نے عرض کیا ہم بھی امید وار ہیں کہ ہم اس کے مصداق ٹھہریں۔ پھر ارشاد مبارک ہوا ان الذین کفروا سوآء علیھم سے عظیم تک۔ یہ سن کر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس کے مصداق بننا نہیں چاہتے۔ فرمایا ہاں (ٹھیک ہے)۔"

کفار اہل کتاب بھی اس میں داخل ہیں

حضرت ابن عباسؓ نے ایک موقع پر ان دو آیتوں کی تفسیر دوسری طرح فرمائی۔ ان الذین کفروا ای بما انزل علیك وان قالوا انا قد آمنا بما جاء من قبلك سوآء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ای انھم قد کفروا بما عندھم من ذکرك وجحدوا ما اخذ علیھم من المیثاق لك فقد کفروا بما جاءك وبما عندھم مما جاءھم به غیرك فکیف یسمعون منك انذارا وتخویفا وقد کفروا بما عندھم من نعتك ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ

ای عن الھدی ان یصیبوہ ابدا بغیرما کذبوا بہ من الحق الذی جاءك
من ربك حتی یؤمنوا بہ وان آمنوا بکل ما کان قبلك ولھم بماھم علیہ
من خلافك عذاب عظیم ھذا فی الاحبار من الیھود ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم
ابن اسحاق) بے شک جن لوگوں نے انکار کیا یعنی اس کتاب کا جو آپ کی طرف اتاری گئی
اگرچہ انھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ان کتابوں پر جو آپ سے پیشتر آئی ہیں۔ آپ ان کو
ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں وہ کبھی ایمان نہ لائینگے۔
یعنی انھوں نے انکار کیا آپ کے ذکر کا جو ان کی کتابوں میں ہے اور وہ مکر گئے اس عہد
میثاق سے جو آپ کے بارے میں ان سے لیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ انکار کر رہے ہیں اس کتاب کا
جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ان کتابوں کا بھی جو دوسرے انبیاء ان کے پاس لائے تھے۔
ایسی صورت میں وہ ڈراوے اور تخویف کو کیوں سننے لگے؟ درحالیکہ آپ کا بیان انکی
کتابوں میں بصراحت ان کے پاس موجود تھا۔ اللہ سبحانہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے
کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ اب راہ ہدایت انکو کبھی نصیب
نہیں ہوسکتی۔ اس تکذیب حق کی وجہ سے جو آپ کے پاس آپ کے رب کے پاس سے آیا
کہ وہ اس پر ایمان لاسکیں۔ گو ان کا زعم یہ ہو کہ آپ کے پیشتر کی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے
ہیں۔ اور ان کے لئے اس وجہ سے کہ وہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں بڑا عذاب ہے۔

اس اعتبار سے یہ آیات علمائے یہود کے باب میں بھی ہو سکتی ہیں"۔ بہرحال یہ دو آیتیں کفار کے باب میں ہیں جن میں کفار اہل کتاب بھی داخل ہیں۔ اب اس کے بعد سے وہ آیات کریمہ آرہی ہیں جو منافقین کے بارے میں ہیں۔ یہ حسب روایات سابقہ تیرہ آیتیں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روز آخر پر حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں"۔

منافقین کے احوال اور ان کے احکام

یعنی بعض لوگوں کا مجرد دعوی ہے کہ وہ اللہ پر اور آخری دن پر (جو اصل ایمان ہے) یقین رکھتے ہیں یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتے ہیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ یہ سب ان کا زبانی جمع خرچ ہے۔ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کو یقین قلبی ہرگز نہیں اور اہل ایمان میں ان کا کبھی بھی شمار نہیں۔ محض دکھاوے کے افعال اور سناوے کے اقوال ہیں۔ زبان پر کلمۂ ایمان ہے اور دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ محض اسلئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ منافقین کے احکام پہلے بیان کردئیے گئے کہ دنیا میں ان کے ساتھ ایمان والوں کے مثل سلوک اور برتاؤ کیا جائے گا۔ اس بنا پر کہ وہ زبانی اقرار کررہے ہیں دلوں کا حال علام الغیوب ہی کو ہے۔ مفسرین کرام

فرماتے ہیں کہ یہ آیات عبداللہ بن اُبی اور اس کے ہم خیال رفقا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اگرچہ ان کا حکم عام ہے۔

احوال منافقین کی ایک تمثیل

حضرت قتادہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :—

هذا نعت المنافق نعت عبد اخائن السريرة كثير الاخلاف يعرف بلسانه وينكر بقلبه ويصدق بلسانه ويخالف بعمله ويصبح على حال ويمسى على غيره ويتكفا تتكفؤ السفينة كلما هبت ريح هبت فيها (عبد بن حمید) یہ منافق کا بیان ہے۔ اس غلام کا سا جس کا باطن خیانت سے پُر ہے بڑی مخالفت رکھنے والا۔ زبان سے اعتراف کرتا اور دل سے انکار کرتا رہتا ہے۔ زبان سے تصدیق کرتا اور عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ اس کی صبح ایک حال پر اور شام اس کے سوا کسی دوسری حالت پر ہوا کرتی ہے، وہ کشتی کی طرح ڈھلکتا اور تھپیڑے کھاتا رہتا ہے۔ جدھر کی ہوا چلی اسی طرف بہتا جاتا ہے۔" ع چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔

علامہ قاشانی کی توجیہ

علامہ قاشانیؒ فرماتے ہیں کہ کفار جن کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہے ان کا بیان صرف دو آیتوں میں اور منافقین کا بیان تیرہ آیات میں اس بنا پر ہے کہ ایسے کفار سے خطاب ہی بے سود ہے اس لئے مختصراً ان کا حال بتا دیا گیا تاکہ تضیع اوقات نہ ہو۔ اور منافقین اگرچہ ان کا حال کفار سے بھی برا ہے لیکن اگر ان کی برائیاں ان پر

ظاہر کی جائیں اور افہام و تفہیم سے کام لیا جائے تو امید ہو سکتی ہے کہ وہ نفاق سے توبہ کر لیں۔ اور ان کا انجام بخیر ہو۔ ارشاد باری ہے :۔ الاّ الذین تابوا و اصلحوا و اعتصموا باللہ و اخلصوا دینھم للہ فاولٰئک مع المومنین و سوف یؤت اللہ المؤمنین اجراعظیما۔ مگر (ان میں سے) جو لوگ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں اور اللہ (کی رسی کو) مضبوطی سے تھام لیں اور اپنا دین خلوص کے ساتھ اللہ کے لئے بنا لیں تو یہ مومنین (مخلصین) کے ساتھ ہوں گے اور اللہ سبحانہ ایمان والوں کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اس لئے منافقین کا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے

ایک سوال مقدر کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ منافقین ایسی دورخی اور دو عملی کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے :۔

9. يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ 2-9

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور ان کو شعور نہیں ۔"

منافقین کا فریب

یعنی منافقین اپنی ان چال بازیوں کے ذریعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اور مومنین کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ پاک کے مقابلے میں ان کی کوئی چال بازی چل نہیں سکتی کیونکہ وہ غیب داں ہے ان کے دلوں کی حالت

خوب واقف ہے اور اسی طرح اہل ایمان کے ساتھ بھی ان کی کوئی چال چل نہیں سکتی
اس لئے کہ اللّٰہُ ولیّ الذین آمنوا۔ اللہ سبحانہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں موجود ہیں۔ اللہ سبحانہ وقتاً فوقتاً وحی کے ذریعہ اپنے
حبیب پاک کو ان کی ہر چال سے آگاہ فرماتا رہتا ہے۔ قرآن کریم کے ذریعہ ان کے
منصوبوں اور فریب کاریوں سے باخبر کردیتا ہے۔ لہذا ان کی فریب کاری کا کوئی
اثر کسی پر پڑ نہیں سکتا۔ البتہ اگر اس کا وبال کسی پر پڑ سکتا ہے تو خود ان ہی کی ذات پر۔
اگر وہ شعور رکھتے اور غور و فکر سے کام لیتے تو یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آ سکتی تھی مگر انکو
کچھ احساس ہی نہیں تو وہ غور و فکر کیا کرتے اور اس کے انجام کو کس طرح سمجھ سکتے ؟

خود منافقین فریب خوردہ ہیں | منافقین کا خود اپنی ذات کو دھوکہ میں رکھنا
اس طرح ہے کہ اگر ان کا آمنّا باللہ والیوم الآخر کہنا مومنین مخلصین کی طرح ہوتا تو
یہ بھی اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون کا مصداق ٹھہرتے
دارین میں ان کی خیر ہوتی۔ دنیوی زندگی باطمینان خاطر ہدایت ربانی کے مطابق
بسر ہوتی اور آخرت میں فوز و فلاح پاتے۔ مگر ان کی دو رخی چال کا حال یہ ہے کہ
ان کو ہر وقت یہ دغدغہ لگا ہوا ہے کہ نہ معلوم کب ہمارے نفاق کا بھانڈا پھوٹ
جائے گا اور کب ہم کو دنیا ہی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے سزا ملے گی اور ہم ذلیل وخوار

ہوں گے ۔ رہی آخرت، ظاہر ہے کہ منافقین اس کے قائل ہی نہیں ۔ اسی وجہ سے وہ زبان سے آمنّا کہہ کر اپنی جان و مال کو مسلمانوں سے محفوظ کر لینا چاہتے ہیں دنیوی تحفظ نصیب بھی ہوا اگر یہ دو روزہ ہے ۔ اخروی نجات تو ان کو نہ مل سکی ۔ جو ابدالآباد کا معاملہ ہے ۔ چاہتے تھے خدا اور رسول اور ایمان والوں کو دھوکے میں رکھنا اس طرح کہ دل میں کفر کو چھپائے رکھ کر زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے اور مسلمانوں کو باور کرانے کے لئے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ۔ روزے کے ایام میں روزہ دار کی صورت بنا لیتے ۔ مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد میں شریک ہو جاتے اور جب ہلاکت کا اندیشہ پاتے تو کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر کے راہ فرار اختیار کرتے اور دل میں خوش ہوتے کہ اس طریق سے ہم نے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا ہے اور اپنی جان و مال کا تحفظ کر لیا ہے ۔ گویا دنیوی عذاب سے محفوظ و مصئون ہیں ۔ اس پر غور نہیں کیا کہ خود ہی فریب خوردہ رہ کر ابدالآباد کا خسارہ مول لیا ہے ۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون وہ نہیں دھوکے میں ڈال رہے ہیں مگر وہ اپنی جانوں کو اور حال یہ ہے کہ ان کو اس کا احساس نہیں ۔"

فریب کا مقام دوزخ ہے

حضرت قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں :۔ لولا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المکر والخدیعۃ فی النار

لکنت امکر ھذہ الامّۃ ۔ (بیہقی) میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ مکاری اور چال بازی کا مقام دوزخ میں ہے۔ اگر یہ ستانہ ہوتا تو امتِ مرحومہ میں سب سے بڑھ کر میں مکار اور چال باز ہوتا۔" مطلب یہ ایسی چالبازی دوسرے بھی کر سکتے ہیں منافقین پر ہی موقوف و منحصر نہیں ہے لیکن جن کے دلوں میں خدا اور رسول کا خوف ہے اور آخرت پر حق کا ایمان ہے بھلا وہ ایسی غلطی کیوں کرنے لگے ۔ اور دیدہ و دانستہ خود کو عذاب نار کا ایندھن بنانا کیوں گوارا کریں گے ؟

منافقین کی رسوائی ایک صحابیؓ فرماتے ہیں:۔ ان قائلا من المسلمین قال یارسول اللہ ما النجاۃ غدا قال لا تخادع اللہ قال وکیف نخادع اللہ قال ان تعمل بما امرك اللہ به تريد به غيره فاتقوا الرياء فانه الشرك بالله فان المرائى يناد ى به يوم القيامة على رؤس الخلائق بار بعة اسماء يا كافر يا فاجر يا خاسر يا غادر ضل عملك وبطل اجرك فلا خلاق لك اليوم عند الله فالتمس اجرك ممن كنت تعمل له يا مخادع وقرأ . . . . ان المنافقين يخادعون الله ۔ (احمد بن منیع) ایک مسلمان نے عرض کیا یارسول اللہ! فرمائیے قیامت میں نجات کی کیا صورت ہو گی ؟

ارشاد ہوا کہ اللہ سبحانہ کو دھوکہ دینا نہ چاہو۔ عرض کیا بھلا ہم اللہ پاک کو دھوکہ کس طرح دے سکتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو بجالاتے وقت تمہاری نیت اگر اللہ کے لئے نہ ہو بلکہ اس کے سوا کسی اور کو دکھانے کی ہو تو یہ دھوکہ بازی ہے لہذا ریاکاری سے بچتے رہو۔ یہ بھی اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ (ریا سے بچتے رہو) اس لئے کہ قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد ریاکار کو ان چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر! اے بدکار! اے گھاٹے میں رہنے والے! اے عہد شکن بدعہد! تیرا عمل ضائع ہو گیا۔ اور تیرا ثواب باطل قرار پا گیا۔ آج اللہ سبحانہ کے پاس تیرا کچھ بھی حصہ نہیں۔ اے دھوکہ باز! اپنے عمل کا صلہ اس کے پاس ڈھونڈھ لے جس کے لئے تو عمل کرتا رہا۔ پھر آپ نے چند آیات کریمہ تلاوت فرمائیں (جو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ از انجملہ ایک آیۂ کریمہ یہ ہے :-)

ان المنافقین یخادعون اللہ یقین جانو کہ منافقین، اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور اس نے خود ان کو فریب خوردہ بنا رکھا ہے۔"

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ 10

أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ ان کے دلوں میں روگ ہے پھر بڑھا دیا اللہ نے ان کا روگ، اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک اس پاداش میں کہ وہ جھوٹ

بولتے تھے۔"

منافقین کا مرض نفاق اعتدال طبعی سے مزاج کے ہٹ جانے کو مرض (بیماری، روگ) کہتے ہیں جس کے باعث مریض کمزور ناتوان ہو کر گھلنے لگتا اور اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ یہ ایک عارضہ ہے جو بدن کو لاحق ہوتا ہے جیسا کہ سب جانتے ہیں لیکن عام طور پر اعراض نفسانیہ مثلاً جہل، حسد، کفر اور بداعتقادی وغیرہ پر بھی مرض کا اطلاق ہوتا ہے۔ منافقین ایسے ہی اعراض نفسانیہ میں مبتلا تھے۔ علم سے کوسوں دور تھے مسلمانوں کے ساتھ حسد رکھتے تھے، دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے اور دین حق پر ان کو اعتقاد بھی نہ تھا۔ نہ خدا اور رسول پر ان کو ایمان اور نہ قرآن کریم اور اس کے احکام و ہدایات سے ان کو کوئی واسطہ۔ واقعہ ہجرت سے پہلے وہ اس تیاری میں تھے کہ اپنی ریاست اور حکومت مدینہ میں قائم کریں اور عبداللہ بن اُبَیّ جو منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا اس کی تاج پوشی کر کے پادشاہ تسلیم کرنے کی فکر میں تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے اور سینکڑوں مسلمان بھی ہجرت کر کر کے آپ سے آملے۔ نیز انصار کے دو بڑے قبیلے اوس و خزرج جو سالہا سال سے آپس میں دست و گریباں تھے حضور اقدس کی تشریف آوری کی بدولت مسلمان ہو کر باہم شیر و شکر ہو گئے۔ تو بادشاہت اور ریاست کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

اور یہ سب کچھ فضل الٰہی تھا تو وہ حسد کے مارے دل میں کڑھنے اور جلنے لگے۔ اسی واقعہ کی طرف ایما فرمایا جارہا ہے کہ منافقین کے دلوں میں پیشتر ہی سے روگ تھا اب مسلمانوں کے اتحاد و ترقی اور اسلامی حکومت قائم ہونے کے آثار سے اور بھی حسد کرنے اور جلنے لگے ہیں اس لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کے پرانے روگ میں اور اضافہ فرمادیا۔ بدن اور جسم کا مرض ہو تو صرف حیات دنیوی متاثر ہونے کا اندیشہ رہتا ہے مگر منافقین کا مرض ان کے دلوں کو تباہ کر رہا تھا اور ان کے کفر وعناد کی وجہ سے ان کی حیات اخروی برباد ہو رہی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو دوسرے ہر دردناک عذاب سے کہیں زیادہ دردناک ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ وہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ وہ اس کی شہادت دے رہے ہیں لیکن اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے اذا جآءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله و الله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون۔ (اے نبی کریم!) جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (ارشاد باری ہے) اور اللہ کو بھی خوب معلوم ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ کی گواہی یہ ہے کہ یہ منافقین (آپ سے) جھوٹ کہہ رہے ہیں۔" اسی جھوٹ کی پاداش میں

ارشاد الٰہی ہو رہا ہے۔ ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون۔ ان کے لئے نہایت دردناک عذاب ہے اس پاداش میں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

منافقین کو مرض جسمانی نہیں ہے

یہاں مرض سے جسمانی مرض مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ سورہ منافقون میں ارشاد ہوا ہے:۔ واذا رأیتھم تعجبك اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ۔ (اے نبی کریم!) جب آپ ان (کی جسمانی حالت) کو دیکھیں گے تو ان کے اجسام (بھلے چنگے) پسندیدہ نظر آئیں گے اور اگر وہ بولنے لگیں تو (ایسی چکنی چوپڑی خوشامدی باتیں کریں گے کہ) ان کی گفتگو سنتے ہی رہیں۔ وہ (ایسے موٹے تازے، قوی توانا ہیں) گویا کہ وہ (کسی عالی شان مکان کے) ستون ہیں ٹیک لگاکر استادہ کئے ہوئے"۔ حضرت ابن زیدؓ آیہ کریمہ فی قلوبھم مرض کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ھذا مرض فی الدین ولیس مرضا فی الاجساد وھم المنافقون والمرض الشك الذی دخل فی الاسلام (ابن جریر) یہ مرض دین کے بارے میں ہے۔ جسمانی مرض مراد نہیں ہے۔ اور وہ منافقین ہیں (جو دینی اعتبار سے روگیلے ہیں) اور ان کا مرض شک وشبہہ ہے جو اسلام (کے باب) میں ہے"۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ایاکم والکذب فانہ من باب النفاق وانا واللہ مارأینا عملا قط اسرع فی فساد قلب عبد

من کبر اوکذب۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) جھوٹ سے بچتے رہو۔ کیونکہ یہ نفاق کے دروازے سے آتا ہے۔ خدا کی قسم! ہم نے کوئی عمل انسان کے دل کو فساد زدہ بنانے میں تکبر اور جھوٹ سے زیادہ بنانے میں تکبر اور جھوٹ سے زیادہ سرایت کرنے والا کبھی نہیں دیکھا"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ 11

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور جب کہا جائے ان سے 12

کہ فساد نہ پھیلاؤ زمین میں تو کہیں کہ ہم تو سنوارنے والے ہیں۔ سنتے ہو وہی فسادی ہیں مگر انھیں شعور نہیں"

عہد جاہلیت اور حضور مصلح اعظمؐ

کون نہیں جانتا کہ عہد جاہلیت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے ساری زمین پر کفر و شرک کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ علانیہ بُرے سے بُرے گناہ کئے جاتے تھے، جزیرۃ العرب کی حالت تو اور بھی بگڑی ہوئی تھی۔ جاہل عرب نہ صرف کفر و شرک میں مبتلا اور گناہوں کے عادی تھے بلکہ اس پر فخر کرتے تھے۔ بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مجامع میں اپنی بد اطواریوں کے قصیدے سناتے اور عوام الناس کو اس سے زیادہ فسق و فجور پر اکساتے تھے۔ لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں۔ حضور مصلح اعظم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف فرمائی کی برکت تھی کہ ایک ایک مفسدہ کو جڑ سے نکال پھینکنے کی سعی کی گئی ۔ ہجرت ہوئی تو جرائم کی سزائیں مقرر ہوئیں ۔ حدود نافذ کیئے گئے ۔ اس طرح اصلاحی قدم اٹھایا گیا اور اللہ کی زمین کفر و شرک اور فسق و فجور کی آلائشوں سے پاک ہونے لگی ۔ مگر منافقین ان اصلاحات کو پسند نہ کرتے کیونکہ وہ ان بداطواریوں کے خوگر ہو چکے تھے ۔

فساد کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ "الفساد هو الكفر والعمل بالمعصية (ابن جریر) یہاں فساد سے کفر مراد ہے اور معصیت پر عمل پیرا ہونا ۔" جیسا کہ منافقین کا عام شیوہ تھا کہ جو کفر ان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا معصیت کے کرتے رہنے پر ان کو دلیر بنا دیا تھا ۔ بلکہ معصیت ان کی نظر میں معصیت ہی نہ تھی ۔ جیسا کہ حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے :۔ اذا ارکبوا معصية فقيل لهم لا تفعلوا كذا قالوا انما نحن على الهدى ۔ (ابن جریر) جب وہ (منافقین) کسی گناہ، معصیت کا ارتکاب کرتے اور ان کو (مسلمانوں کی طرف سے) کہا جاتا کہ (یہ گناہ ہے) ایسا نہ کرو تو وہ کہتے کہ یہ تو ہمیں ہدایت ہے جس پر ہم قائم ہیں ۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقین کی عادت یہ بھی تھی کہ جب ان کو فساد پھیلانے سے منع کیا جاتا تو وہ کہتے :۔ انما نريد الاصلاح بين الفريقين من المؤمنين اهل الكتاب

(ابن اسحاق' ابن جریر' ابن ابی حاتم) ہم تو اہل ایمان اور اہل کتاب ان دو فریق کے درمیان صلح و آشتی قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور جب کہا جائے ان کو ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسا ایمان لائے ہیں بے وقوف؟ سنئے ہو یقیناً وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔"

نصیحت کے طریقے نصیحت اور خیر خواہی کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں۔ ایک امر بالمعروف (اچھی باتوں کا حکم دینا) دوسرا نہی عن المنکر (بری باتوں سے منع کرنا) اگلی آیہ کریمہ میں لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ کہا گیا تھا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔" اب اس آیہ کریمہ میں منافقین سے فرمایش کی جا رہی ہے:۔ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔ ایمان لاؤ جیسا کہ دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔" تاکہ نصیحت کے دونوں پہلوؤں کی تکمیل ہو جائے۔ ایمان کے معنی ہیں "گرویدن" یعنی جس امر پر ایمان لایا جائے اس کے والہ و شیدا ہونا۔ اس طرح کہ اگر اس کی محبت میں مال خرچ کر دینے کی ضرورت ہو تو صدق دل سے اس کو قربان کر دیا جائے اور اگر جان کی قربانی کی ضرورت آن پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ایمان کا یہی اثر تھا

ضرورت پر انھوں نے اپنا مال بھی قربان کر دیا اور جان کی قربانی کی صورت در پیش ہوئی تو اس سے بھی کبھی دریغ نہ کیا۔ تاریخ و سیر کی کتابیں ان کے ان مبارک کارناموں کی تفصیلات اور واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ منافقین بھی ایمان کے دعویدار تھے مگر ان کا یہ دعویٰ محض زبانی تھا۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ زبانی دعویٰ لائق سماعت نہیں اور نہ اللہ سبحانہ کے پاس اس کا کوئی اعتبار ہے۔ نام و نمود وہاں کارآمد نہیں۔ مومنین مخلصین کی طرح دین پر شیفتگی مطلوب ہے۔ منافقین اس موقع پر کہتے :۔

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۔ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بے وقوف اور نافہم لوگ ایمان لائے ہیں" یہ اس بنا پر کہ اکثر مسلمان فقراء مساکین تھے اور بعضوں پر غلامی کا دور بھی گزر چکا تھا جیسے حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ۔ حالانکہ ان میں جو فقراء و مساکین تھے وہ اکثر مہاجرین تھے جنھوں نے اپنا دین محفوظ رکھنے کے لئے اپنا وطن، کاروبار، مال و متاع اور گھر بار چھوڑ کر فی سبیل اللہ ہجرت کی تھی۔ اپنے رشتے ناطے بلکہ بی بی بچوں کو بھی جو ان کے طریق پر نہ تھے رب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ منافقین، ایسے مخلص مسلمانوں کو سفہآء بے وقوف اور نافہم خیال کرتے تھے۔

منافقین کی بیوقوفی اور نافہمی

اللہ سبحانہ کا اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے :۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ ۔ آگاہ رہو کہ یہ منافقین خود ہی

پرلے درجے کے بے وقوف اور ناسمجھ ہیں۔ جو آخرت پہ دنیا کو ترجیح دیتے اور باقی پر فانی کو اختیار کر رہے ہیں۔ دو روزہ دنیا کے عیش کو ابدالآباد کی راحت وسکون کے مقابلہ میں اختیار کر لینا کہاں کی دانائی ہے؟ خود ہی احمقی اور بے وقوفی میں مبتلا رہ کر، دوسروں کو جو کمال دانائی کا عملی ثبوت دے رہے ہیں ان کو سفہآء ٹھہرانا کس درجہ کی سفاہت اور حماقت ہے ذرا اس پر غور کر لیں۔ اس پر وہی غور کر سکتے ہیں جن کو علم صحیح سے کچھ حصہ ملا ہو۔ منافقین تو نرے جاہل ہیں۔ وہ اس حقیقت نفس الامری کو کیا جانیں؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن وہ (منافقین) نہیں جانتے۔"

آمن الناس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے کما آمن الناس کی تفسیر میں فرمایا:۔ ابو بکر و عمر و عثمان و علی۔ (ابن عساکر) وہ حضرات، ابوبکر، عمر، عثمان، علی ہیں۔" جو حقیقی اور مثالی ایمان کے حامل ہیں لہذا اے منافقین! تم بھی ان جیسا ایمان لانے کی کوشش کرو۔ نمائشی ایمان کارآمد نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے موقع پر فرمایا:۔ صدّقوا کما صدّق اصحاب محمد انه نبی و رسول وان ما انزل علیه حقّ۔ قالوا انؤمن کما آمن السفهآء یعنون اصحاب محمد الا انّهم هم السفهآء ولكن لا یعلمون یقول لا یعقلون۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم) یعنی (اے منافقین! جو کچھ زبانی دعوے کر رہے ہو ان کی دل سے)
تصدیق کرو، اس طرح جیسی کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے
تصدیق کی ہے یعنی مہاجرین وانصار اور عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقائے کار کہ
حضور انور اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اور آپ پر جو کتاب (قرآن کریم) اتاری گئی ہے
وہ حق ہے۔ منافقین نے جواباً کہا کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا کہ بے وقوفوں کا ایمان
ہے اس سے ان کی مراد حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پاک ہیں۔
آگاہ رہو کہ یہ منافقین ہی پرلے درجہ کے بے وقوف اور احمق ہیں لیکن وہ اسکو نہیں
جانتے۔ یعنی ان کو عقل ہی نہیں" پاگل ہیں اور پاگلوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی بلاغت اس آیۂ کریمہ میں منافقین کو لا یعلمون اور آیہ ماسبق
میں لا یشعرون ارشاد ہوا تھا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ آمنوا کما آمن الناس میں
ان سے ایمان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور ایمان میں ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان
بالکتب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر، ایمان بالیوم الآخر وغیرہ سبھی امور داخل
تھے۔ اور ان امور دینیہ پر ایمان لانا غور وفکر کی دعوت دیتا تھا۔ اور یہ غور وفکر
سے عاری تھے اس لئے لا یعلمون ارشاد ہو رہا ہے۔ اور لا تفسدوا کا حکم
محتاج غور وفکر نہ تھا بلکہ ظاہری حس اور ادنیٰ التفات سے اس کی واقعیت معلوم

ہو سکتی تھی مگر اتنی سی بات بھی وہ نہ سمجھ سکے اس لئے لا یشعرون ارشاد ہوا۔ بہرحال منافقین کی گمراہی اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ نہ امر بالمعروف سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ نہی عن المنکر سے وہ سبق لینا چاہتے۔ بلکہ الٹی تقریریں کر کے کسی طرح اپنا الّو سیدھا کرنے کے درپے ہیں۔ اسی سے ان کی بے حسی اور احمقی ظاہر ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ منافقین کا یہ کہنا انومن کما آمن السفھآء کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا کہ یہ تمام بے وقوف ایمان لائے ہوئے ہیں؟ یہ تو ان کے کفر کا مظاہرہ کر رہے ہیں پھر یہ نفاق کہاں ہوا، یہ تو علانیہ کفر کا اظہار ہے مگر واقعہ ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں کبھی وہ اپنے ہم خیال منافقین کے سامنے کیا کرتے تھے اور کبھی اپنے دل میں کہتے تھے۔ اللہ سبحانہ تعالٰی نے یہاں ان کی پوشیدہ اور دلی باتوں کی اطلاع بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کی دلی کیفیات اور اندرونی جذبات سے آگاہ کیا جائے ورنہ ان گردن زدنیوں کو اتنی ہمت کہاں کہ علی الاعلان اپنے کفر و عناد کا اظہار کر سکیں۔ اگر وہ برملا ان باتوں کو کہتے تو اسی وقت اپنے کیفر کردار کو پہنچا دئے جاتے۔ یہ ان کا تکبر اور غرور ہے جو ان کے دل میں جائے گیر ہے اسکی صراحت آگے کی آیۂ کریمہ میں آرہی ہے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں۔

کسے را کہ پندار در سر بود پندار ہرگز کہ حق بشنود

ز علمش ملال آید از وعظ ننگ شقائق بباراں نروید ز سنگ

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ اور جب ملیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہوئے ہیں تو کہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوں اپنے شیطانوں کیساتھ تو کہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم صرف استہزا کر رہے ہیں"

منافقین کی دورخی یعنی منافقین جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ (تمھاری طرح ہم بھی ایمان لا چکے ہیں۔ اور جب اپنے سر برآوردہ لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (حقیقت میں) تمھارے ساتھ ہی ہیں۔ ہمارا یہ ظاہری میل ملاپ مذاق اور تمسخر کے طور پر ہے۔

شان نزول منافقین کا تمسخر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت ھذہ الآیۃ فی عبد اللہ بن ابی و اصحابہ وذلك انھم خرجوا ذات یوم فاستقبلھم نفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عبد اللہ بن ابی انظروا کیف ارد ھولاء السفھاء عنکم فذھب فاخذ بید ابی بکر فقال مرحبا بالصدیق سید بنی تیم وشیخ الاسلام

وثانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الغار الباذل نفسہ ومالہ لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ثم اخذ بید عمر فقال مرحبا بسید عدی بن کعب
الفاروق القوی فی دین اللہ الباذل نفسہ ومالہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ثم اخذ بید علی وقال مرحبا ابن عم رسول اللہ وختنہ سید
بنی ھاشم ما خلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم افترقوا فقال
عبد اللہ لاصحابہ کیف رأیتمونی فعلت فاذا رأیتموھم فافعلوا کما
فعلت فاثنوا علیہ خیرا فرجع المسلمون الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
واخبروہ بذلک فانزلت ھذہ الآیۃ۔ (واحدی ثعلبی) یہ آیۂ کریمہ عبد اللہ
ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے باب میں نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ
یہ لوگ ایک دن باہر نکلے اور اتفاق سے ان کا سامنا حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت سے ہوا۔ عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے
کہا دیکھو میں ان بیوقوفوں کا تم سے کیا پیچھا چھڑاتا ہوں۔ آگے بڑھا اور حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ مرحبا آئیے صدیق، قبیلہ بنی تیم
کے سردار، شیخ الاسلام اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار، جو اپنی
جان و مال حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فدا کرنے تیار رہیں۔ پھر حضرت

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ مرحبا آپ ہیں قبیلہ عدی بن کعب کے سردار فاروق اعظم، اللہ کے دین کے پہلوان، جو اپنی جان و مال حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ پھر سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ مرحبا آپ ہیں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم اور آپ کے داماد اور حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر باقی تمام بنی ہاشم کے سردار اس کے بعد یہ حضرات اس سے چھوٹ کر اپنے کام پر چلے گئے تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے ان کو کیسا بنایا؟ تم بھی جب انکو دیکھو تو ان کے ساتھ ایسا ہی کیا کرو۔ یہ سن کر اس کے ساتھیوں نے اس کی بڑی لمبی چوڑی تعریف کی۔ جب یہ حضرات حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو مذکورہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

شیاطینہم کی تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ منافقین کا جو سلوک ظاہر و باطن میں تھا یہ واقعہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ انکو شیاطین جو کہا گیا اس کی نسبت حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ قولہ واذا خلوا الی شیاطینہم قال الی اخوانہم من المشرکین ورؤسہم وقادتہم فی الشر قالوا انا معکم انما نحن مستہزؤن یقولون انما نسخر من ہولاء القوم ونستہزئ بہم۔

(عبد بن حمید، ابن جریر) اور جب وہ منافقین اپنے شیطانوں کے ساتھ تخلیہ میں ہوتے ہیں یعنی اپنے ہم خیال مشرکین اور ان کے رؤسا، اور پیشواؤں کے ساتھ جو شرارت میں ان کے شریک کار ہیں ان کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یقین جانئے ہم سب آپ ہی کے ساتھ ہیں مسلمانوں کے ساتھ ہم صرف استہزاء کر رہے ہیں یعنی ان کے ساتھ مذاق اور مسخرہ پن کرتے اور ان کی ہنسی اڑاتے اور ہاں میں ہاں ملاتے ہیں" حضرت مجاہدؒ نے الی شیاطینھم کی تفسیر میں فرمایا:۔ اصحابھم من المنافقین والمشرکین۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یعنی اپنے ہم خیال منافقین اور مشرکین کے ساتھ ہوتے ہیں" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ وھم منافقوا اھل الکتاب۔ (بیہقی) شیاطین سے اہل کتاب کے منافقین مراد ہیں" دوسرے موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ صراحت بھی فرمائی:۔ کان رجال من الیھود اذا لقوا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او بعضھم قالوا انا علی دینکم و اذا خلوا الی شیاطینھم وھم اخوانھم قالوا انا معکم۔ ای علی مثل ما انتم علیہ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) یہودیوں میں کچھ ایسے بھی تھے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے دین پر ہیں اور جب اپنے ہم قوم برادری والوں سے

ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یعنی جو خیالات اور عقائد تمہارے ہیں ویسے ہی ہمارے بھی ہیں" بہر حال منافقین دونوں گروہ میں بھی تھے۔ مشرکین و کفار میں بھی اور یہود میں بھی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ وھم خمسة نفر من اليهود۔ كعب بن اشرف بالمدينة وابو بردة فى بنى اسلم وعبد الدار فى جهينة وعوف بن عامر فى بنى اسد وعبد الله بن السوداء فى الشام۔ (مظہری، روح البیان) رؤسائے منافقین یہودیوں کے پانچ اشخاص تھے مدینہ میں کعب بن اشرف، اور قبیلہ بنی اسلم میں ابو بردہ، اور قبیلہ جہینہ میں عبد الدار، اور قبیلۂ بنی اسد میں عوف بن عامر، اور شام میں عبداللہ بن سوداء منافقین کے استہزا کا جواب حق تعالیٰ یوں دیتے ہیں :۔

15. اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ 2-15

اللہ استہزاء فرماتا ہے ان سے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں کہ بھٹکتے رہیں"

تمسخر کی سزا یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو آخرت میں استہزاء کی سزا دیتا جاتا، اور اس کا بدلہ کرتا اور سزا دیتا رہتا ہے اور ان کو دنیا میں ڈھیل دیتا جاتا ہے تاکہ خوب سرکشی کرتے جائیں اور اسی طرح بھٹکتے رہیں۔ انجام کار کیا ہوگا اس پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ اور اسی سرکشی و طغیان کی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہوجائیں پھر جب قیامت ہوگی اور نامہ ہائے اعمال کھلیں گے اور اعمال تولے جائیں گے پھر ان سے سوال ہوگا تو دنیا میں اہل ایمان کے ساتھ جو استہزاء کیا جاتا رہا اس پر پشیمان ہوں گے مگر یہ بعد از وقت پشیمانی ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے گی۔ فرد جرم لگنے اور سزا یاب ہونے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ منافقین کا کلمہ اسلام پڑھنا، نمازیں پڑھنا، روزہ رکھنا، زکاۃ دینا، حج کرنا، جہاد میں شریک رہنا، مجالس وعظ میں شرکت کرنا یہ تمام کام چونکہ محض دکھانے کے لئے کئے گئے تھے لہٰذا ان میں سے ایک کام بھی ان کے کارآمد نہ ہوگا۔ اور ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار کے مطابق ان کو دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ذلت و خواری کے ساتھ ابدالآباد کے لئے جلتے بھنتے پڑے رہنا پڑے گا۔

بعض لغات کی توضیح و تشریح استہزاء کے معنی کسی کے ساتھ مسخرہ پن کرنے اور

اس کو سُبک اور حقیر جاننے کے ہیں۔ منافقین اسی تصور کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ یستھزئ بھم جو ارشاد ہوا ہے علم معانی میں اس کو "مشاکلت" کہتے ہیں یعنی مخاطب نے متکلم کے مقابلے میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہی لفظ اس پر پھیر دیا جائے لیکن اس نوبت پر وہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس کی جزاء بنا مراد ہوتا ہے۔ جیسے جزآء سیّئۃ سیّئۃ مثلھا برائی کا بدلہ برائی ہونا ارشاد ہوا ہے۔ یعنی برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینا حقیقۃً برائی نہیں بلکہ انصاف ہے طغیان کے معنی حد سے بڑھنے اور سرکشی کے ہیں یمدّ مشتق ہے مدّ سے۔ اور مدّ و امداد ایک ہی ہیں۔ فرق اس قدر ہے کہ عموماً امداد کار خیر میں ہوتی ہے اور مدّ کا استعمال شر میں ہوا کرتا ہے اور یعمھون مشتق ہے عمہ سے جس کے معنی گرفتار رہنے متردد رہنے کے ہیں نہ جاننے اور تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اور عمیٰ کے معنی بھی نابینائی کے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جس کو بصارت نہ ہو وہ اعمیٰ ہے اور جس کو بصیرت نہ ہو وہ اعمہ ہے۔

تمسخر کی سزا کا ایک نمونہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یفتح لھم باب من الجنۃ فاذا انتھوا الیہ سدّ عنھم وردّوا الی النار۔ (بغوی) منافقین کے

سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اس کو دیکھتے ہی یہ لپک کر اس طرف جائیں گے۔ جب یہ وہاں پہنچیں گے تو ان کو باہر ہی چھوڑ کر دروازہ بند کردیا جائے گا۔ اور یہ ناکام و نامراد دوزخ کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔" گویا ان کے استہزا کی جزا اس طرح دی جائے گی اور وہ ابدالآباد اسی اُدھیڑ بُن میں گرفتار رہ کر چکر کاٹتے رہیں گے۔ اس کی تائید حضرت حسن بصریؒ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:- ان المستھزئین بالناس یفتح لاحدھم باب الی الجنۃ فیقال ھلم ھلم فیجیئ فاذا اتاہ غلق دونہ فمایزال کذلک (ابن ابی الدنیا) جو لوگ دوسروں کے ساتھ استہزا کرتے اور اُن کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں ان میں سے ایک ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جلد آؤ۔ تیزی سے آؤ۔ اس پر وہ دوڑے دوڑے آئیں گے جب اس کے قریب پہنچیں گے تو ان کو باہر ہی چھوڑ کر دروازہ بند کرلیا جائیگا۔ اور ان کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک ہوتا رہے گا۔"

تمسخر کی سزا کا دوسرا نمونہ حضرت ابو صالحؒ آیہ کریمہ اللّٰہ یستھزی بھم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:- یقال لاھل النار وھم فی النار اخرجوا وتفتح لھم ابواب النار فاذا رأوھا قد فتحت اقبلوا الیھا یریدون

الخروج والمؤمنون ینظرون الیھم علی الارائک فاذا انتھوا الی ابوابھا غلّقت دونھم فذالک قولہ اللہ یستھزئ بھم وتضحک علیھم المؤمنون حین غلّقت دونھم فذالک قولہ فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون علی الارائک ینظرون الآیۃ۔ (ابن منذر) دوزخی جب دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے دوزخ کے دروازے کھول کر ان سے کہا جائے گا کہ یہاں سے نکل بھاگو۔ یہ لوگ جب دیکھیں گے کہ دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو دوزخ سے نکل بھاگنے کے لئے دروازوں کی طرف آئیں گے اور اہل ایمان اس وقت جنت میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھتے رہیں گے۔ جب وہ دروازوں تک پہنچ جائیں گے تو ان کے خارج ہونے سے پیشتر ہی تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے آیۂ کریمہ فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون علی الارائک ینظرون (جو سورۂ مطففین کے آخر میں وارد ہوئی ہے) اس کا مطلب یہی ہے کہ آج ایمان والے کافروں کو اس حالت میں دیکھ کر ہنستے رہیں گے درحالیکہ وہ جنت میں صوفوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوں گے"۔ جو حضرات ان آیات کی تفسیر دیکھنا چاہتے ہیں وہ سورۂ مطففین کے آخری آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمالیں۔

مومن کی عنداللہ منزلت بہرحال اس آیۂ کریمہ اللہ یستھزئ بھم میں یہ

بتانا منظور ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ دنیا میں منافقین ان کا مذاق اڑاتے ہوں یا کفار ان کی تضحیک کرتے ہوں مسلمان اس سے شکستہ خاطر نہ ہوں اور نہ ان کا جواب دینے کی زحمت گوارا کریں اس سے خود کو بالاتر رکھ کر تقرب الٰہی کے جو کام بتائے گئے ہیں ان میں مشغول رہیں خدا اور رسول کی رضا جوئی جو ان کا مقدس فریضہ ہے مخلصانہ طور پر اس کی ادائی ہر وقت پیش نظر رہے۔ ان کفار و منافقین کی سزا دہی رب العالمین نے اپنے ذمہ لے لی ہے اور وہ سزا کیا اور کس طرح ہوگی؟ اس کے یہ نمونے بتا دئے گئے ہیں۔ جو اپنے وقت پر پورے ہوگی۔ اپنا عزیز وقت ان باتوں میں ضائع نہ کریں۔ یہیں سے یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مومن مخلص کی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس کیسی قدر و منزلت ہے کہ رب العالمین خود ہی ان کے مخالفین کی سزا دہی کا کفیل و وکیل ہے حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ 16
وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ یہ وہی ہیں جنھوں نے خریدی گمراہی بدلے میں ہدایت کے

پھر نہ ہوئی سود مند ان کی تجارت، اور وہ نہ تھے ہدایت پانے والے "

دنیا تجارت گاہ آخرت ہے

یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ دنیا ایک عظیم الشان تجارتی منڈی ہے جس میں ہر قسم کا سامانِ تجارت رکھا ہوا ہے۔ انسان کچھ نفع

کما لینے کے لئے یہاں آیا ہے۔ فطرت سلیمہ اس کا سرمایہ ہے۔ عقل و فہم، علم، تجربہ، حواس وغیرہ اس کے ممد و معاون ہیں انبیاء علیہم السلام اور ان پر نازل کی ہوئی کتابیں اس کی رہنما ہیں جو شخص ان معاونین کی مدد سے فطرت سلیمہ پر قائم رہے اور کتاب اللہ کے احکام اور پیغمبروں کی ہدایات کے مطابق، زندگی کے بازار میں اپنے کاروبار جاری رکھے وہی آخرت کی فلاح و کامیابی سے ہم کنار رہے۔ مگر منافقین کا حال یہ ہے کہ اس بازار میں اپنے نفاق کے باعث، ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اور ضلالت خرید لیے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تجارت سے نفع حاصل کرنے کے بجائے نہ صرف نقصان اور گھاٹا پایا۔ بلکہ فطرت سلیمہ جو سرمایہ اور راس المال ہے اس کو بھی گنوا دیا اور خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ٹھہرے۔

اشتروا الضلالۃ کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الکفر بالایمان (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) منافقین نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید کیا۔" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:۔ اخذوا الضلالۃ و ترکوا الھدیٰ۔ (ابن جریر) گمراہی اختیار کی اور ہدایت کو چھوڑ دیا۔" حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ آمنوا ثم کفروا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا۔" یعنی دین اسلام کو قبول کر لینے کے بعد

اس سے پھر گئے ‘‘ العیاذ باللہ ۔ اور حضرت قتادہ رحؒ نے فرمایا :۔ استحبوا الضلال علی الھدیٰ فما ربحت تجارتھم قال قد واللہ رأیتہم خرجوا من الھدیٰ الی الضلالۃ ومن الجماعۃ الی الفرقۃ ومن الامن الی الخوف ومن السنّۃ الی البدعۃ ۔ (عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابن جریر' ابن ابی حاتم) منافقین نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو دوست رکھا لہٰذا ان کی یہ تجارت سود مند نہ ہوئی ۔ حضرت قتادہ نے یہ بھی فرمایا کہ بخدا میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ ہدایت سے نکل کر گمراہی کی طرف چلے گئے اور جماعت سے خارج ہو کر افتراق پسندی کی' اور امن سے نکل کر خوف میں گرفتار ہو گئے ' اور سنت کو چھوڑ کر بدعت اختیار کی ۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ 17
ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ○ ان کی مثال

اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی' پھر جب روشن کر دیا اس (آگ) نے اس کے آس پاس کو' گل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو تاریکیوں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے ‘‘

احوال منافقین کی ایک تمثیل

یعنی منافقین کی مثال اس رہرو یا مسافر کی سی ہے جو اندھیری رات میں راستہ طے کرتا چلا جاتا ہے راستہ معلوم کرنے کے لئے

اس نے آگ سلگائی، جب آگ روشن ہوئی اور راستہ دیکھنے کا امکان پیدا ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی روشنی گل کر دی اب کئی قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو کر اسکو کچھ نہیں سوجھتا۔ ایک تاریکی رات کی۔ دوسری تاریکی ناواقفیت کی کہ منزل مقصود کدھر ہے؟ تیسری تاریکی جو روشنی کے غائب ہو جانے سے پیدا ہو گئی ہے۔ اب وہ حیران وششدر کھڑا ہوا ہے کہ کس طرف جائے اور کیا تدبیر اختیار کرے؟ اس مثال سے یوں آگاہ کرنا مقصود ہے کہ انسان دنیا میں سفر آخرت طے کرنے کے لیے آیا ہے اس کا راستہ ہی معلوم نہیں تو قدم قدم پر رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ رہروان آخرت کو دیکھا کہ نور ایمان کی روشنی اور کتاب وسنت کی رہنمائی میں باطمینان خاطر راستہ طے کر رہے ہیں۔ اس نے بھی کلمہ اسلام پڑھا۔ مگر دل سے نہیں صرف زبانی۔ اس سے کچھ روشنی کی جھلک دکھائی دی مگر جب موت کے بعد میدان آخرت میں قدم رکھا تو وہ جھلک جو نمائشی تھی غائب ہو گئی۔ اب دار آخرت میں پہنچنے کے بعد سوائے سزا بھگتنے کے کوئی صورت ہی باقی نہ رہی۔ اگر اہل ایمان کی طرح منافقین دل سے اسلام قبول کرتے اور اخلاص کے ساتھ کتاب وسنت پر عمل پیرا رہتے اور اس حالت میں ان کو موت آتی تو مؤمنین کی طرح فوز و فلاح پاتے۔ کاش منافقین اسکو سمجھتے۔

تفسیر حضرت ابن عباسؓ	حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ھذا مثل

ضربه الله للمنافقين كانوا يعتزون بالاسلام فيناكحهم المسلمون ويوارثونهم ويقاسمونهم الفئ فلما ماتوا سلبهم العز كما سلب صاحب النار ضوءه وتركهم فى ظلمات يقول فى عذاب۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم صابونی) یہ ایک تمثیل ہے جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے بیان فرمائی ہے کہ کلمۂ اسلام پڑھنے کی باعث ان کو عزت ملی تھی چنانچہ اس بنا پر اہل اسلام ان کو مسلمان جان کر ان کے ساتھ شادی بیاہ کرتے، ان کو اپنا وارث بناتے، اور مال غنیمت میں ان کو حصہ دیتے تھے۔ (عمر بھر ان کا نفاق، اہل اسلام پر ظاہر نہ ہو سکا) جب وہ مرے تو ان کی عزت چھین لی گئی جیسا کہ آگ روشن کرنے والے کی روشنی (آگ بجھ جاتے کی وجہ سے) سلب ہو گئی اب وہ تاریکیوں میں یعنی عذاب میں چھوڑ دیا گیا۔"

تفسیر حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا:۔ ان ناسا دخلوا فى الاسلام مقدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة ثم نافقوا فكان مثلهم كمثل رجل كان فى ظلمة فاوقد نارا فاضاءت ما حوله من قذى او اذى فابصره حتى عرف ما يتقى فبينا هو كذلك اذ طفئت ناره فاقبل لا يدرى ما يتقى من اذى فكذلك المنافق كان فى ظلمة الشرك فاسلم فعرف الحلال الحرام والخير

من الشر فبينا هو كذلك اذ كفر فصار لا يعرف الحلال من الحرام ولا الخير من الشر۔ (ابن جریر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ رونق افروز ہوئے تو کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر منافقین میں شامل ہو گئے تو ان کی مثال اس شخص کی سی ہوئی جو تاریکی میں تھا پھر اس نے آگ روشن کی جس سے آس پاس کا حصہ روشن ہو گیا اور گھانس پات اور ضرر رساں چیزیں اس کو دکھائی دینے لگیں اب اسکو کن چیزوں سے بچنا چاہیئے وہ نظر آ رہی تھیں۔ پھر وہ اسی حالت میں تھا کہ اسکی آگ بجھ گئی اب اس کو کن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے اس کو کچھ پتہ چلنے لگا۔ بس منافق کا بھی یہی حال ہے کہ وہ شرک کی تاریکی میں مبتلا تھا۔ اسلام لایا تو حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچاننے لگا پھر وہ اسی حال میں تھا کہ کفر اختیار کر لیا۔ اب وہ نہ حلال و حرام کو پہچان سکتا اور نہ خیر و شر میں تمیز ہی کر سکتا ہے۔" ظاہر ہے کہ اسی حالت میں اگر اس کا وقت آخر آ جائے اور کفر و نفاق پر اس کا خاتمہ ہو تو دائمی عذاب کے سوا اس کو کیا مل سکتا ہے؟

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، لہذا وہ (حق کی طرف) نہیں لوٹینگے۔ 18

صم بکم عمی کی تفسیر	یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ وہ بہرے بن گئے ہیں

کوئی حق بات ان سے کہی جائے تو وہ سنتے تک نہیں۔ گونگے ہیں۔ سچی بات اور حق کا کلمہ کبھی ان کی زبان سے جاری نہیں ہونے پاتا، اندھے ہیں حق بات کبھی ان کو دکھائی نہیں دیتی۔ باطل پرستی ان پر اس درجہ غالب ہوگئی ہے کہ باطل سے حق کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ منافقین کو اگرچہ بظاہر ثقل سمع نہیں ہے۔ زبان گونگی نہیں۔ بولتے چالتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں سب کچھ دیکھتے ہیں مگر باطل کا غلبہ ان پر ایسا ہے کہ یہ سب کچھ بڑے بہرے، گونگے، اندھے بنے ہوئے ہیں۔ جیساکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم آذان لا یسمعون بھا و لھم اعین لا یبصرون بھا اولئك كالانعام بل ھم اضل۔ ان کے دل ہیں اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان ہیں پر سنتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ" کیونکہ چوپائے اپنے آقا کی پکار کو پہچان کر اس کا منشا پالیتے ہیں۔ اور اس کے بلاوے پر آجاتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے اور دُم ہلانے لگ جاتے ہیں۔ اور موقع ومحل کا اندازہ کرکے مناسب حال کام پر لگ جاتے ہیں۔ لیکن منافقین کا حال یہ ہے کہ جانوروں سے بھی بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ اب ان کی اصلاح کی کیا صورت ہوسکتی ہے غور طلب امر ہے۔ ان کے کان، آنکھ، دل سب بیکار اور ضائع ہوئے لہذا ان کو بہرے، گونگے، اندھے

کہنا صحیح ثابت ہوا۔ اس اعتبار سے تمثیل حقیقت بن گئی۔ اور جب حقیقت بن گئی تو
وہ کس طرح بدل سکتی ہے؟

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُونَ 19
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ
بِالْكَافِرِينَ ○ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم 20
مَّشَوْا فِيهِ ۙ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ع ۲ (ان کی مثال ایسی ہے)

جیسے زوردار بارش آسمان سے برس رہی ہو اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور بجلی
(کی چمک) رکھ لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے بچنے کے لئے
موت سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔ قریب ہے کہ بجلی اڑا لے انکی بصارت
جب چمکتی ہے ان پر تو چلے اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا چھا جائے ان پر تو کھڑے
رہ گئے۔ اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کی سماعت اور بصارت، بے شک اللہ
ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

احوال منافقین کی دوسری تمثیل

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ کان رجلان من المنافقین من اهل المدینة هربا من رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم الی المشرکین فاصابھما ھذا المطر الذی ذکر اللہ فیہ رعد شدید وصواعق وبرق فجعلا کلما اصابھما الصواعق یجعلان اصابعھما فی آذانھما من الفرق ان تدخل الصواعق فی مسامعھما فتقتلاھا واذا لمع البرق مشیا فی ضوئہ واذا لم یلمع لم یبصرا قاما مکانھما لا یمشیان فجعلا یقولان لیتنا قد اصبحنا فنأتی محمد افنضع ایدینا فی یدہٖ" مدینے کے منافقین میں سے دو شخص حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے فرار ہوکر مشرکین سے ملنے کے لئے جا رہے تھے ان کو اس بارش سے سابقہ پڑا جس کا ذکر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں فرمایا ہے۔ اس بارش میں شدت کی گرج تھی اور بجلیاں کوندرہی تھیں اور کچھ چمک رہی تھیں۔ بجلی کڑکتی تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں کر لیتے اس ڈر سے کہ کہیں وہ کانوں میں نہ گھس جائیں جس سے ان کی ہلاکت واقع ہو جائے اور جب کوئی بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں چلنے لگتے اور جب چمکنا موقوف ہوتا تو اپنی رفتار موقوف کرکے وہیں ٹھہرے رہتے۔ بالآخر تنگ آکر کہنے لگے اے کاش! صبح ہو جاتی تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر اپنے ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دیدیتے۔ (یعنی آپ سے بیعت ہو جاتے)"۔

مذکورہ اشخاص کا قبول اسلام	فاصبحا فاتیاہ فاسلما ووضعا ایدیھما

فی یدہ وحسن اسلا مھما فضرب اللہ شان ھذین المنافقین الخارجین
مثلا للمنافقین الذین فی المدینۃ ۔ وکان المنافقون اذا حضروا مجلس النبی
صلی اللہ علیہ وسلم جعلوا اصابعھم فی اٰذانھم فرقا من کلام النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ان ینزل فیھم شیئ او یذکر بشیئ فیقتلوا کما کان ذانک المنافقان
الخارجان یجعلان اصابعھما فی اذانھما و اذا اضاء لھم مشوا فیہ ۔ چنانچہ
خدا خدا کرکے صبح ہوئی تو وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ
حق پرست پر مسلمان ہوگئے اور اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دیکر بیعت ہوگئے
پھر بفضل خدا ان کی اسلامی حالت درست ہوگئی ۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ادھر اللہ
سبحانہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو مدینے کے دوسرے منافقین کے لئے موجب ترغیب و
تشویش قرار دیکر ضرب المثل ہی بنا دیا ۔ مدینے کے منافقین کی عام حالت بھی یہی تھی کہ
جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو اپنے کانوں
میں انگلیاں رکھ لیتے اس اندیشے سے کہ ان کے باب میں کوئی وحی نازل ہو جائے
یا ان کے نفاق کا بھانڈا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے پھوٹ جائے
تو یہ قتل کردئے جائیں ۔ مدینے کے منافقین بھی اپنے کانوں میں انگلیاں اسی طرح
رکھ لیتے تھے جیسا کہ یہ دو منافق مدینے سے نکل کر باہر سفر کر رہے تھے اپنے کانوں میں

انگلیاں رکھ لیتے تھے اور جب بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں چلتے تھے۔"

اضاء لھم اور اظلم علیھم کی تفسیر

حضرت ابن مسعود نے آیۂ کریمہ واذا اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا کی تفسیر میں فرمایا: ــــ

فاذا کثرت اموالھم و ولدھم واصابوا غنیمۃ وفتحا مشوا فیہ وقالوا ان دین محمد حینئذ صدق واستقاموا علیہ کما کان ذانک المنافقان یمشیان اذا اضاء بھما البرق واذا اظلم علیھم قاموا فکانوا اذا اھلکت اموالھم و ولدھم واصابھم البلاء قالوا ھذا من اجل دین محمد و ارتدوا کفارا کما کان ذانک المنافقان حین اظلم البرق علیھما۔ (ابن جریر)

پھر جب منافقین کے مال و دولت اور ان کی اولاد میں اضافہ ہو جاتا اور (اسلامی) فتوحات میں مال غنیمت خوب ملتا تو مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کے ساتھ ساتھ چلنے اور کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین اس وقت سچا ہے اور اس پر قائم رہتے جیسا کہ وہ دو منافق بجلی چمکتی دیکھ کر اس کی روشنی میں چلتے تھے۔ اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ ان کا مال و متاع تباہ و برباد ہو گیا اور ان کے بچے مر گئے یا اور کوئی مصیبت آئی تو کہتے کہ یہ سب کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کی نکبت ہے۔ اور کفر کی طرف پلٹ جاتے جیسا کہ بجلی کا چمکنا موقوف ہو کر اندھیرا چھا جانے کی صورت میں

اُن دو منافقین کا حال تھا۔" گویا منافقین ابن الوقت ہیں یا فتح کے نقارچی انکو دین سے کچھ سروکار نہیں۔

حضرت مجاہدؒ کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے مثلھم کمثل الذی استوقد نارا کی تفسیر میں فرمایا:۔ اما اضاءۃ النار فاقبالھم الی المومنین والھدیٰ وذھاب نورھم اقبالھم الی الکافرین والضلالۃ واضاءۃ البرق واظلامہ علی نحو ذالک المثل واللہ محیط بالکافرین قال جامعھم فی جھنم۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) آگ روشن کرنے کی مثال سے منافقین کا اہل ایمان اور ہدایت کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے۔ اور ان کی روشنی غائب ہو جانے سے مراد ان کا کافروں اور گمراہی کی طرف رخ کرنا ہے۔ بجلی کی چمک۔ اور اس کے نہ چمکنے کے باعث اندھیرا چھا جانے سے مراد بھی ان کی ایسی ہی دورخی ہے۔ اور اللہ ان کو گھیرے ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جمع کرکے دوزخ میں جھونک دیگا۔"

استوقد نارا کی تفسیر حضرت قتادہؓ نے ان دونوں تمثیلوں کی تفسیر اس طرح فرمائی چنانچہ مثلھم کمثل الذی استوقد نارا کی تفسیر میں فرمایا: ھذا مثل ضربہ اللہ للمنافق ان المنافق تکلم بلا الہ الا اللہ فناکح بھا

المسلمین وورث بہا المسلمین وغازی بہا المسلمین وحقن بہا دمہ ومالہ فلما کان عند الموت لم یکن لہا اصل فی قلبہ ولا حقیقۃ فی عملہ فسلبہا المنافق عند الموت فترك فی ظلمات وعمی یتسکع فیہا کما کان اعمی فی الدنیا عن حق اللہ وطاعۃ صم عن الحق فھم لا یرجعون عن ضلالتھم ولا یتذکرون۔ یہ منافقین کی مثال ہے جس کو اللہ سبحانہ نے ضرب المثل قرار دیا کہ منافق نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا تو اس کی بنا پر مسلمانوں نے اس کے ساتھ شادی بیاہ کو جاری رکھا۔ وہ مسلمانوں کے وارث قرار دئے گئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے (اور فتحمند ہونے پر غنیمت سے حصہ لیتے) اور اپنی جان و مال کا اس طرح تحفظ تو کر لیا مگر جب موت آن پہنچی تو اس کے دل میں ایمان کا شائبہ تک نہ تھا اور اس کے اعمال تمام بے حقیقت قرار پائے مرتے وقت اس کا ایمان و عمل سب سلب کر لیا گیا اور کفر و شرک کی تاریکیوں اور اندھیریوں میں حیران و پریشان چھوڑ دیا گیا۔ وہ اندھے اٹھائے گئے جیسا کہ وہ دنیا میں حقوق اللہ کی ادائی اور انکی طاعت سے اندھے بنے ہوئے تھے اور حق بات کے سننے سے بہرے بنا دئے گئے اب وہ اپنی گمراہی سے کبھی نہیں نکل سکتے نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت لے سکتے ہیں۔

کصیب من السماء کی تفسیر	حضرت قتادہؓ نے آیۂ کریمہ او کصیب من السماء کی

تفسیر میں فرمایا:۔ ھذا مثل ضربہ اللہ للمنافق لجبنہ لا یسمع صوتا الّا ظنّہ انّہ اتی ولا یسمع صیاحا الّا ظنّ انّہ قد اتی ولا یسمع صیاحا الّا ظنّ انّہ میّت اجبن قوم واخذ لہ للحقّ وقال اللہ فی آیۃ اخری یحسبون کلّ صیحۃ علیھم۔ یکاد البرق یخطف ابصارھم قال البرق ھو الاسلام والظلمۃ ھو البلاء والفتنۃ فاذا رأ المنافق من الاسلام طمانینۃ وعافیۃ ورخاء وسلوۃ من عیش قالوا انّا معکم ومنکم واذا رأی من الاسلام شدّۃ وبلاء فقحقح عند الشدّۃ فلا یصبر لبلائھا ولم یحتسب اجرھا ولم یرج عاقبتھا انّما ھو صاحب دنیا لھا یغضب ولھا یرضی وھو کما نعتہ اللہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یہ دوسری تمثیل ہے جس میں منافقین کی بزدلی کی جانب ایما فرمایا جا رہا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جو کوئی آواز سن پاتے ہیں۔ انکو گمان غالب یہ ہوتا ہے کہ انہیں کی گرفتاری کے لئے آ رہا ہے۔ اور جب کوئی پکار ہوتی ہے تو ان کو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ انہیں کے لئے آیا۔ اور جہاں کوئی ڈانٹ سن پائی تو یقین کر لیا کہ اب موت کا سامنا ہے۔ تمام قوموں میں سب سے زیادہ بزدل منافقین ہیں اور حقیقت پوچھو تو سب سے زیادہ ذلیل و خوار یہی ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دوسری جگہ (سورۂ

منافقون ہیں) فرمایا کہ یحسبون کل صیحۃ علیھم ہر پکار کو وہ اپنے خلاف ہی خیال کرتے ہیں ‘‘ (سورۂ منافقون میں اس کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے) یکاد البرق والی آیہ کریمہ میں برق سے اسلام مراد ہے اور ظلمۃ سے بلاء (آزمائش) اور فتنہ (امتحان) مراد ہے ۔ جب منافق دیکھتا ہے کہ اسلام لانے سے اطمینان نفس، آرام و عافیت، سہولت اور نرمی اور تسلی خاطر حاصل ہوتی ہے تو ہر منافق، مسلمانوں سے کہتا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تم میں داخل و شامل ہیں ۔ اور کبھی سختی اور آزمائش کی صورت نمودار ہوئی تو گھبرا جاتا، واویلا مچاتا ہے آزمائش کے موقع پر صبر نہیں جانتا، اور اس میں کسی اجر کا متوقع رہتا اور نہ صبر و بلا کے اچھے انجام پر اس کی نظر رہتی ہے، منافق پکا دنیادار ہے اس کی ناراضی اور رضا دنیا کے ملنے نہ ملنے پر ہی موقوف ہے ۔ منافق بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے ان آیات کریمہ میں اس کا احوال بیان فرمایا ہے ‘‘ یہ تیرہ آیات منافقین کے بیان میں تھے ۔ اس کے بعد خطاب عام فرمایا جا رہا ہے جس میں مومنین، کفار اور منافقین سب ہی داخل ہیں ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ 2-21

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ 2-22

السَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اے لوگو

بندگی کرتے رہو اپنے پروردگار کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے

تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا، اور آسمان

کو چھت، اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے

واسطے، لہذا نہ ٹھہراؤ کسی کو اس کے برابر کا، اور تم تو جانتے ہو۔"

یا حرف نداء کی تفسیر

"یا" حرف ندا ہے جو سوتوں کو جگانے، غافلوں کو آگاہ کرنے غائبین کو حاضر کرتے، ساکنین کو حرکت میں لاتے، ناواقفین کو واقف کرتے، کام میں لگے ہوئے لوگوں کو معمولی کام سے ہٹا کر اس سے اہم کام میں لگانے، اعراض کرنے والوں کو متوجہ کرنے، محبین میں چستی پیدا کرنے، اور مطیعین کو شوق دلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں چونکہ اعبدوا کا حکم ہو رہا ہے کہ تم بندگی بجالاتے رہو۔ اور بندگی بجالانے میں کچھ تکلیف بھی متصور ہے اسلئے اس کلفت کو ندا کی لذت خطاب سے مبدل کرنا منظور ہے۔ مطلب یہ کہ عبادت کی تکلیف کا خیال نہ کیا جائے بلکہ عبادت کا جو ثمرہ ملنے والا ہے اس پر نظر رکھی جائے تو وہ تکلیف راحت سے مبدل ہو جائے گی اور عبادت کی ادائی کا ذوق و شوق پیدا ہوگا۔

ناس کی تفسیر اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ لفظ "ناس" عام ہے جس میں مومن، کافر، فاسق، منافق سبھی قسم کے لوگ داخل ہیں۔ ناس کا اشتقاق یا تو "انس" سے ہے جس کے معنی انست و محبت کے ہیں یا نسیان سے، جس کے معنی بھول جانے یا فراموش کرنے کے ہیں۔ انسان میں طبعاً وحشت نہیں بلکہ انست ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ابنائے جنس سے بلکہ کائنات کی ہر چیز سے انست رکھتا ہے اور اس اعتبار سے کہ [illegible] کائنا [illegible] کائنات کی بنائی ہوئی ہے اس کو خالق کائنات سے بھی انست حاصل ہے بلکہ دوسری چیزوں کے مقابل خالق کائنات کے ساتھ زیادہ تر اس کو مانوس رہنا چاہئے۔ اور اس اعتبار سے کہ ناس کا اشتقاق نسیان یعنی بھول چوک سے ہے انسان میں بھول چوک کی صفت بھی اس کی فطری صفت ہے۔ اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے :۔ اوّل ناس اوّل ناس۔ تمام لوگوں میں سب سے پہلا انسان، بھولنے والوں میں بھی سب سے پہلا بھولنے والا ہے۔" یہ ہمارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آپ کو سب سے پہلے وجود میں لایا گیا بھول چوک بھی سب سے پہلے آپ سے صادر ہوئی۔ چنانچہ آپ کی نسبت ارشاد الٰہی ہوا :۔ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ "وہ بھول گئے۔ اور ہم نے ان کا عزم مصمم نہ پایا۔" یعنی لا تقربا [illegible] المشجرۃ کے ذریعہ جو ممانعت انکو

کی گئی تھی اس کو وہ بھول گئے۔ عزم بالجزم کے ساتھ اس کا خلاف نہ کیا۔

یاَیُّھَا النَّاس کی تفسیر

جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے یٰاَیُّھَا النَّاس کے معنی درست ہوتے ہیں۔ اعتبار اول کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے:۔ اے انس و الفت والو! تم اپنے فطری اُنس کو نہ بھولو۔ اور اعتبار ثانی کے لحاظ سے یہ معنی ہونگے اے لوگو جن کی خمیر میں نسیان اور بھول ہے متنبہ ہو جاؤ۔ اور اپنی وہ حالت نہ بھولو جبکہ تم خود بھولے بسرے تھے۔ قابل ذکر نہ تھے۔ ہم نے تمھاری خمیر کی۔ مٹی کا گارا بنایا۔ پھر نطفہ کی صورت دی، پھر خون بنایا، پھر بستہ خون کیا، پھر مضغہ بنایا، پھر ہڈی اور گوشت گردانا، رگ پٹھے، جلد پوست بنایا پھر اس میں اپنی روح پھونک کر نومولود کی شکل دی، پھر درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے طفل صبی، نوجوان، ادھیڑ اور بوڑھا بنایا۔ عمر کے یہ تمام درجات ہماری نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہوئے طے کئے۔ مگر طاعت و عبادت کے قابل بننے کے بعد کیا تیری انست والفت کا یہی اقتضا تھا کہ ہم کو چھوڑ کر تم لوگ غیر اللہ کی طاعت و عبادت کرنے لگے۔ یا یہ کہ تم نے اپنی خودی کو ایسا فراموش کر دیا کہ ہم ہی سے غافل ہو گئے۔ تم اپنے نفس اور خواہشات کا اتباع کرتے ہو اور اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کر رہے ہو۔ دیکھو اپنے خالق کو نہ بھولو اس نے تم کو لاشئے سے شئے بنایا۔ قویٰ اور صلاحیتیں دیں۔ علم دیا، عزت دی، اور جو وجود دینا تھا

سب کچھ دیا، لیکن ہماری نعمتوں کا بدلہ ناشکری سے اور ہمارے احکام کا جواب نافرمانی سے دے رہے ہو۔ اے ہمارے مخالفو! ہم جانتے ہیں کہ تم نے ایسا قصداً نہیں کیا بلکہ بھول کر کیا۔ اور یہ بھول تمہاری خمیر میں تھی۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری فطرت میں انست والفت ہے بالآخر تم اپنی فطرت کی طرف لوٹ آؤ گے لہٰذا اگر اب بھی ہمارے بلاوے پر ہماری طرف آجاؤ گے اور ہماری بات سننے کیلئے تیار ہو جاؤ گے تو سابقہ غفلت اور بھول سب کچھ ہم معاف کر دیں گے اور تمہاری عمر بھر کی خطائیں اس ایک لبیک پر بخش دیں گے۔

یاایہا الناس اور یاایہا الذین آمنوا کا فرق

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ما کان یاایہا الذین آمنوا انزل بالمدینۃ وما کان یاایہا الناس بمکۃ۔ (بزار، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) جن آیات کریمہ کی ابتدا یاایہا الذین آمنوا سے فرمائی گئی یا ان کلمات سے مخاطب فرمایا گیا وہ مدنی ہیں۔ مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور جن کی ابتدا یاایہا الناس سے کی گئی اور ایسا خطاب فرمایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اسی قسم کی روایات حضرت ابن عباس، میمون بن مہران، علقمہ، ضحاک، عروہ بن زبیر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: قرأنا المفصل حججا ونحن بمکۃ لیس فیہا یاایہا الذین آمنوا

(ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ) ہم مکہ مکرمہ میں برسوں مفصلات (طوال المفصل اوساط المفصل اور قصار المفصل) پڑھتے رہے ان میں سے کسی میں بھی یا یھا الذین آمنوا سے خطاب نہیں فرمایا گیا۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اس لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کلام پاک میں خطاب عام یا ایھا الناس فرمایا جاتا رہا جس میں سبھی شامل تھے۔ ہجرت کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو مہاجرین و انصار کو ملا کر مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی اس لئے خطاب خاص یا یھا الذین آمنوا کے ساتھ مخاطب فرمایا جانے لگا۔

مکی اور مدنی آیات کا دوسرا فرق

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں :۔ ما کان من حج او فریضۃ فانہ نزل بالمدینۃ او حد او جھاد فانہ نزل بالمدینۃ وما کان من ذکر الامم والقرون وضرب الامثال فانہ نزل بمکۃ ۔ (ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ) فریضہ حج یا دیگر فرائض کا جن آیات کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے وہ سب مدنی ہیں۔ اسی طرح حدود شرعیہ اور جہاد کے باب میں جس قدر آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں وہ مدنی ہیں اور جن میں امم سابقہ اور ازمنۂ سالفہ یا ضرب الامثال بیان ہوئی ہیں وہ مکی ہیں۔ پہلا فرق لفظی تھا

یعنی خطاب خاص اور خطاب عام کے ذریعہ ان کی شناخت کی جا سکتی ہے اور یہ دوسرا فرق معنوی ہے یعنی قرآن کریم کے معانی و مطالب جاننے والے ہی اسکو دریافت کر سکتے ہیں۔ نیز یہ ہر دو فرق عموم و اکثریت پر مبنی ہیں۔

اعبدوا ربکم کی تفسیر

اُعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ "بندگی اختیار کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا" یہاں عقیدۂ توحید کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جو اصل اصول اسلام ہے۔ وہ اس طرح کہ تمہارا پیدا کرنے والا اور تم کو نیست سے ہست کرنے والا اور ہر مرتبۂ وجود میں تمہاری تربیت اور نگہداشت کرنے والا ہی مستحق عبادت ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کی جا سکتی۔ انسان کی تخلیق اور ہر مرتبہ وجود میں اس کی بقاء و تحفظ اور اس کی ترقی کے منازل پر جو اوپر گنائے گئے اگر غور کیا جائے تو صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان تمام امور اور مراتب میں دست قدرت الٰہیہ ہی کار فرما ہے کسی اور کو مطلقاً ان میں دخل نہیں۔ جب تخلیق و تربیت خالصاً اللہ سبحانہ کے ہاتھ ہے تو عبادت بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہو گی۔

والذین من قبلکم کی تفسیر

وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ۔ "اور ان کو بھی (پیدا کیا) جو تم سے پہلے تھے" یعنی امم سابقہ جو ازمنۂ سالفہ میں گزر چکی ہیں۔ خواہ وہ تمہارے آباء و اجداد ہوں یا ان کے بھائی برادر۔ کیونکہ تمہارے اصول کو پیدا کرنا بھی

ہمارے استحقاق عبودیت کو مستلزم ہے۔ اسی طرح جیسا کہ تم کو پیدا کرنا ہمارے استحقاق عبادت کو متلازم ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی ایک زمانہ میں تھے پھر گزر گئے۔ وہ تم سے پہلے صفحہ ہستی پر آئے تھے پھر اپنی جگہ تم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اب تم کو بھی ایک نہ ایک دن یہاں سے چلنا ہے لہذا جب تک تم یہاں ہو اُس دن کو نہ بھولو زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جان کر ہماری طاعت وعبادت میں لگے رہو کہ یہی مقصد حیات ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ "تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ" بلکہ تم یقیناً پرہیزگار بن جاؤ گے۔

لَعَلَّكُمْ کی تفسیر حضرت ابو مالکؒ فرماتے ہیں: قولہ لَعَلَّكُمْ یعنی کی غیر آیۃ فی الشعراء لعلکم تخلدون۔ یعنی کأنکم تخلدون۔ (ابن ابی حاتم) ارشاد باری تعالیٰ جو لَعَلَّكُمْ ہے اس کے معنی ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (اسی طرح قرآن کریم میں جہاں کہیں لعلکم وارد ہوا ہے اس کے معنی کی کے ہیں یعنی تاکہ) سوائے سورۂ شعراء میں ایک جگہ جو لعلکم تخلدون آیا ہے اس کے معنی کأنکم کے ہیں یعنی گویا کہ تم" اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سورۂ شعراء میں ملاحظہ کرلی جائے۔ اور حضرت عون بن عبداللہ بن غنیہؒ فرماتے ہیں: لعل من اللہ

واجب۔ (ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کلام پاک میں لعلّ آوے تو
اس کے معنی (توقع اور امید کے نہیں بلکہ) واجب، ضروری اور یقینی کے ہوں گے"
اس اعتبار سے ارشاد باری لعلکم تتقون کے معنی یہ ہوئے کہ یقیناً تم پرہیزگار
بن جاؤ گے۔ جبکہ سب کو چھوڑ کر اپنے خالق ہی کی عبادت کرتے رہو گے۔

تَتَّقُوْنَ کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے تتقون کی تفسیر میں فرمایا: — تطیعون
(وکیع، عبد بن حمید، ابن جبیر، ابوالشیخ) تم اطاعت گزار بن جاؤ گے" کیونکہ تقویٰ کے
معنی ہیں اوامر کو بجالانا، اور منہیات سے دور رہنا، اطاعت گزاری اسی کا نام ہے
اور حضرت ضحاک نے تتقون کی تفسیر میں فرمایا: — تتقون النار۔ (ابن ابی حاتم)
تم نار دوزخ سے بچو گے" یہ تفسیر نتیجۂ تقویٰ کی ہے۔ یعنی غیر اللہ کی عبادت چھوڑ کر
اگر اپنے خالق واحد کی عبادت کرتے رہو گے تو اس کا نتیجہ اور فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ
یقیناً تم آگ کے عذاب سے جو دوزخ میں ہوگا محفوظ رہو گے۔ اس سورت شریفہ کے آغاز پر
بتلایا گیا تھا ھدی للمتقین۔ یہ قرآن کریم متقین کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اب یہاں یہ
ہدایت ہو رہی ہے کہ خدائے واحد کی عبادت ہی حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے۔ اور یہ
معلوم ہے کہ اہل سلوک کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ تقویٰ کا حاصل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ
یہ بھی یاد رہے کہ سالک و عابد اپنے سلوک و عبادت پر نازاں نہ ہو۔ یہ شیطانی

فریب ہے بلکہ ہمیشہ خوف ورجا کے درمیان اپنا سلوک وعبادت جاری رکھے۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

اگر مردی از مردیٔ خود مگوئے نہ ہر شہسوارے بدر برُد گوئے

جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً کی تفسیر

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً۔ جس نے بنایا تمھارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت" یعنی عبادت کرتے رہو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے گزرے۔ اسی نے زمین کو تمھارا بچھونا اور آسمان کو تمھاری چھت۔ اگر اللہ سبحانہٗ تم کو صرف پیدا کر دیتا اور تمھارے آرام وسکون کا سامان نہ فرماتا تو مبتلائے مصیبت ہو جاتے۔ وہ تمھارا رب بھی ہے کہ زمین کو تمھاری قرارگاہ اور آسمان کو تمھاری چھت بنائی۔ اب آرام وسکون کے ساتھ زمین پر بیٹھتے، سوتے، چلتے، پھرتے اور سارے کام کاج انجام دیتے ہو۔ آسمان تو ہر طرف سے تم پر محیط ہے۔ اس کے سایہ سے نکل نہیں سکتے۔ اور زمین کا یہ حال ہے کہ اس کا کچھ حصہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور کچھ پانی سے باہر ہے۔ اسی بیرونی حصے میں تمھاری بودوباش ہے۔ اس کو حد درجہ نرم بنا دیا جاتا تو تم اس پر قدم رکھتے ہی اندر دھنس جاتے۔ اور حد درجہ سخت بھی نہ بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس کی سختی سے تکلیف میں رہتے

بلکہ کسیقدر سخت اور کسیقدر نرم بنایا۔ بچھونا بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ دیکھو تمھارے ساتھ کیا مناسب حال سلوک فرمایا؟ اور یہ سب کچھ اسی خدائے واحد کی عنایت و مہربانی ہے جو تمھارے ساتھ روا رکھی گئی۔ اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ہر آن اور ہر لحظہ اس کے شکر گزار رہو اور اس کی عبادت و اطاعت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ بھولو نہیں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کی تفسیر

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔ اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس پانی سے میوے تمھارے کھانے کو" زمین پر بسنے والے انسان کو اپنی زندگی کا وسیع میدان طے کرنے کے لئے روزی کی ضرورت تھی۔ اس کا اہتمام یہ فرمایا کہ آسمان سے پانی اتار لایا۔ اور اس پانی سے ثمرات پیدا کئے جن کو انسان اپنا رزق بناتا ہے اگر پانی نہ ہوتا تو انسان بھوکوں مرجاتا اور پیاس کے مارے جاں بلب رہ جاتا۔ پانی ایسی نعمت ہے کہ ہم اس سے پیاس بھی بجھاتے اور غلہ میوے سب اسی کی بدولت ہم کو میسر آتے ہیں۔ آسمان تک ہماری رسائی نہ تھی مگر کرم دیکھو کہ بے مانگے اپنے وقت اور موسم پر برستا ہی رہتا ہے۔ اور ہمارے عیش و زندگانی کا سامان ہوا کرتا ہے۔

بارش کا مبداء آسمان ہے

حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ اَلْمَطَرُ مِنَ السَّمَآءِ اَمْ مِنَ السَّحَابِ قَالَ مِنَ السَّمَآءِ اِنَّمَا السَّحَابُ عَلَمٌ

يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْمَآءُ مِنَ السَّمَآءِ۔ (ابوالشیخ) بارش آسمان سے آتی ہے یا ابر سے؟
انھوں نے جواب دیا آسمان سے آتی ہے۔ ابر ایک نشان اور علامت ہے جس پر
آسمان سے پانی اترتا ہے۔" حضرت وہب بن منبہؒ نے فرمایا:۔ لَا اَدْرِیْ
الْمَطَرُ اُنْزِلَ قَطْرَۃً مِنَ السَّمَآءِ فِی السَّحَابِ اَمْ خُلِقَ فِی السَّحَابِ فَاَمْطَرَ
(ابوالشیخ) میں نہیں بتاسکتا کہ بارش کا ایک ایک قطرہ آسمان سے ابر میں اتر آتا
ہے یا ابر میں ہی پیدا ہوتا ہے تو پھر برسنے لگتا ہے؟"

نظامِ بارش کعب احبار کہتے ہیں:۔ اَلسَّحَابُ غِرْبَالُ الْمَطَرِ وَلَوْلَا
السَّحَابُ حِیْنَ یَنْزِلُ الْمَآءُ مِنَ السَّمَآءِ لَاَفْسَدَ مَا یَقَعُ عَلَیْهِ مِنَ
الْاَرْضِ وَالْبَذْرُ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ۔ (ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) ابر بارش کی
چھلنی ہے۔ آسمان سے پانی اترتے وقت اگر ابر درمیان میں حائل نہ ہو تو آسمان سے
اترا ہوا پانی زمین کے اس حصے کو خراب کر دیتا ہے جس پر آسمان کا پانی (ابر کے توسط
گرا ہے) اور تخم (بیج بھی پانی کی طرح) آسمان سے اترتا ہے۔" حضرت خالد بن معدانؒ
نے فرمایا:۔ اَلْمَطَرُ مَآءٌ یَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ فَیَنْزِلُ مِنْ سَمَآءٍ
اِلٰی سَمَآءٍ حَتّٰی یَجْتَمِعَ فِی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَیَجْتَمِعُ فِیْ مَقَامٍ یُقَالُ لَهٗ
الْاَبْرَمُ فَتَجِیْئُ السَّحَابُ السُّوْدُ فَتَدْخُلُهٗ فَتَشْرَبُهٗ مِثْلَ شُرْبِ

اِلَّا بَنِفْجَتِہٖ فَیَسُوْقُھَا اللّٰہُ حَیْثُ یَشَآءُ (ابن ابی حاتم' ابوالشیخ) بارش وہ پانی جو عرش اعظم کے نیچے سے نکلتا اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف اُترتا رہتا ہے۔ تاآنکہ تمام پانی زمین سے قریب تر آسمان میں ایک مقام پر جس کو "ابرم" کہا جاتا ہے جمع ہو جاتا ہے۔ پھر کالی کالی گھٹائیں آتی اور اس میں گھس کر اس پانی کو پی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اسفنج پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ پھر اُن گھٹاؤں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ جہاں چاہے بھیج دیتا ہے۔" حضرت عکرمہ نے فرمایا:۔ یَنْزِلُ الْمَآءُ مِنَ السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ فَتَقَعُ الْقَطْرَۃُ مِنْہُ عَلَی السَّحَابَۃِ مِثْلَ الْبَعِیْرِ (ابن ابی حاتم' ابوالشیخ) پانی' ساتویں آسمان سے اترتا ہے تو اس کا ایک ایک قطرہ جو ابر پر ٹپکتا ہے وہ ایک اونٹ کے برابر ہوتا ہے۔" حضرت خالد بن یزید فرماتے ہیں:۔ اَلْمَطَرُ مِنْہُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْہُ مَاءٌ یَسْقِیْہِ الْغَیْمُ مِنَ الْبَحْرِ فَیُعْذِبُہُ الرَّعْدُ وَالْبَرْقُ فَاَمَّا مَا کَانَ مِنَ الْبَحْرِ فَلَا یَکُوْنُ لَہٗ نَبَاتٌ وَاَمَّا النَّبَاتُ فَمِمَّا کَانَ مِنَ السَّمَآءِ۔ (ابن ابی حاتم' ابوالشیخ) بارش کچھ تو آسمان سے آتی ہے اور کچھ وہ پانی ہے جس کو ابر نے سمندر سے لیا ہے۔ بجلی کی گرج اور چمک سمندر سے لئے ہوئے پانی کو شیریں بنا دیتی ہے۔ پھر جو پانی سمندر سے لیا گیا تھا اس سے نباتات نہیں پیدا ہوتے اور آسمان سے جو پانی برستا ہے

اسی سے نباتات ہوتے ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا :۔ اِذَا جَآءَ الْقَطْرُ مِنَ السَّحَابِ تَفَتَّحَتْ لَهُ الْاَصْدَافُ فَكَانَ لُؤْلُؤًا۔ (ابن ابی الدنیا) جب ابر بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں تو ان کے لئے سیپیاں کھل جاتی ہیں (ان سیپیوں میں پانی کی بوندیاں گرتی ہیں) تو ان سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔" حضرت عکرمہ نے یہ بھی فرمایا :۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ قَطْرَةً اِلَّا اَنْبَتَ بِهَا فِي الْاَرْضِ عُشْبَةً اَوْ فِي الْبَحْرِ لُؤْلُؤًا (ابن ابی الدنیا) علم الٰہی سے جو کوئی بوند پانی کی آسمان سے آتی ہے تو زمین پر اس سے کوئی نہ کوئی سبزی اُگتی ہے اور اگر وہ بوند سمندر میں پڑے تو اس سے موتی بنتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ يَخْلُقُ اللّٰهُ اللُّؤْلُؤَ فِي الْاَصْدَافِ مِنَ الْمَطَرِ تَفْتَحُ الْاَصْدَافُ اَفْوَاهَهَا عِنْدَ الْمَطَرِ فَاللُّؤْلُؤَةُ الْعَظِيْمَةُ مِنَ الْقَطْرَةِ الْعَظِيْمَةِ وَاللُّؤْلُؤَةُ الصَّغِيْرَةُ مِنَ الْقَطْرَةِ الصَّغِيْرَةِ۔ (ابوالشیخ) اللہ سبحانہ تعالیٰ بارش کے قطروں سے سیپی میں موتی پیدا کرتا ہے۔ برسات میں سیپیاں اپنا منہ کھولی رہتی ہیں۔ بڑے بڑے موتی، بڑی بڑی بوندوں سے اور چھوٹے موتی چھوٹی بوندوں سے پیدا ہوتے ہیں۔"

حضرت مطلب بن حنطب فرماتے ہیں: — اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ سَاعَةٍ مِّنْ لَّیْلٍ وَّ لَا نَھَارٍ اِلَّا وَالسَّمَآءُ تَمْطُرُ فِیْھَا یَصْرِفُہُ اللّٰہُ حَیْثُ یَشَآءُ۔ (کتاب الام للشافعی ابن ابی الدنیا) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات دن کی کوئی گھڑی ایسی گزرنے نہیں پاتی جس میں آسمان سے بارش نہ برستی ہو۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ جہاں چاہے اس کو پھیر دیتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے: — مَا نَزَلَ مَطَرٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَّا وَمَعَہُ الْبَذْرُ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ بَسَطْتُّمْ نِطَعًا لَّرَاَیْتُمُوْہُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) آسمان سے جب کبھی کوئی بارش ہوتی ہے تو اس کے ساتھ تخم (بیج) بھی ہوتے ہیں۔ اگر تم برسات ہوتے وقت کوئی کپڑا (ٹاٹ وغیرہ) بچھا دو تو (آسمان سے اترے ہوئے بیج بھی ضرور دیکھ لوگے"۔) حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:— اَلْمَطَرُ مِزَاجُہٗ مِنَ الْجَنَّةِ فَاِذَا عَظُمَ الْمِزَاجُ عَظُمَتِ الْبَرَکَةُ وَاِنْ قَلَّ الْمَطَرُ وَاِذَا قَلَّ الْمِزَاجُ قَلَّتِ الْبَرَکَةُ وَاِنْ کَثُرَ الْمَطَرُ۔ (ابن ابی الدنیا ابوالشیخ) بارش کو ربط و مناسبت جنت سے ہے۔ جب اس کا ربط زیادہ ہوتا ہے تو اس میں برکت بھی زیادہ ہوتی ہے اگرچہ بارش کم ہو۔ اور جب اس کا ربط و تعلق جنت سے کم ہو تو اس میں برکت بھی کم ہوتی ہے اگرچہ بارش زیادہ ہو"۔ حضرت حسن بصریؒ

فرماتے ہیں :۔ مَا مِنْ عَامٍ بِاَمْطَرَ مِنْ عَامٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْرِفُهٗ حَيْثُ يَشَآءُ وَ يَنْزِلُ مَعَ الْمَطَرِ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يَكْتُبُوْنَ حَيْثُ يَقَعُ ذٰلِكَ الْمَطَرُ وَمَنْ يُّرْزَقُهٗ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهُ مَعَ كُلِّ قَطْرَةٍ (ابوالشیخ)

ایک سال دوسرے سال سے بارش کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہوا کرتا۔ (ہر سال بارش برابر ہوا کرتی ہے) لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ بارش کو جہاں چاہے پھیر دیتا ہے۔ اور بارش کے ہر قطرے کے ساتھ اتنے اتنے فرشتے نازل ہوتے ہیں جو (حکم الٰہی سے) یہ لکھتے رہتے ہیں کہ یہ بارش کہاں برسے گی اور کون کون لوگ اس سے رزق حاصل کریں گے اور بارش کے ہر قطرے سے کتنی پیداوار ہوگی؟"

نظام بارش پر ایک نظر روایات بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بارش کا معاملہ اندھا دھند نہیں ہے جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ برسات کے موسم میں پانی پڑا اور بہ جاتا ہے۔ بلکہ بارش کا بھی ایک باقاعدہ نظام قائم ہے۔ عرش اعظم سے اس کا سلسلہ جاری ہوتا اور ساتوں آسمانوں میں سلسلہ بہ سلسلہ اس کا نزول ہوتا ہے۔ ابر کی کالی گھٹائیں آسمان دنیا پر آکر اس کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہیں۔ ایک ایک قطرہ اونٹ کے برابر ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی جگہ برسے تو زمین کا وہ حصہ خراب و ناکارہ ہو جائے۔ اور عجب نہیں کہ اگر اسی طرح انسانوں اور جانوروں

گرے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ ابر اس کو اپنے اندر جذب کر کے اس کو چھوٹی چھوٹی بوندوں میں تبدیل کرتا اور ہر بوند کے ساتھ فرشتے نازل ہو کر حکم الٰہی کے مطابق اس کی تقسیم کرتے ہیں اس طرح کہ ایک قطرہ بھی ادھر ادھر ہونے نہیں پاتا۔ ہر ایک چپہ زمین کو اس کا حصہ بغیر کسی کمی و بیشی کے پہنچ کر رہتا اور اس سے مقررہ پیداوار ہوتی اور ہر متنفس کو اس کا حصہ پہنچتا رہتا ہے۔ یہ تمام نظم و نسق دست قدرت میں ہے۔ ایسے نظام کو قائم رکھنا دست قدرت کے سوا اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس آسمانی پانی سے بے شمار رزق اور ثمرات پیدا ہوتے ہیں جو ہمارے کارہائے معیشت میں مدد و معاون ہوتے ہیں جس پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش کا ایک ایک قطرہ ہمارے حق میں بے شمار نعمتوں کا پیش خیمہ ہے۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

رب قدیر کا فضل و کرم

تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ ہماری آفرینش اور ہمارے سابقین کی آفرینش، زمین کو ہمارا بچھونا بنانا اور آسمان کو ہماری چھت قرار دینا، آسمان سے پانی اتار لانا اور اس سے غلے اور میوے پیدا کرنا جس سے ہماری زندگی استوار اور خوشگوار رہے۔ یہ تمام کام خدائے واحد نے اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔ اللہ سبحانہ کے ساتھ ان مہمات میں کوئی بھی شریک

نہیں تو عبادت و بندگی بھی اسی رب واحد اور خالق یکتا کی ہوگی۔ کوئی دوسری ہستی کائنات کی عبادت کی مستحق قرار نہیں پاسکتی۔ اسی لئے ارشاد ہورہا ہے :۔ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ لہٰذا تم اللہ کے ساتھ کسی کو اس کے برابر کا شریک نہ ٹھہراؤ درحالیکہ مذکورالصدر حالات و واقعات کو خوب جانتے ہو" کفار و مشرکین توحید الٰہی سے بے خبر طرح طرح کے شرک میں گرفتار تھے۔ لیکن اگر ان سے دریافت کیا جاتا کہ مَنْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ تم کو اور تمہارے اسلاف کو کس نے پیدا کیا؟" تو وہ بے ساختہ بول اٹھتے تھے:۔ لیقولن اللہ۔ وہ بالضرور یہی کہتے کہ اللہ نے ان سب کو پیدا کیا۔ پھر یہ بھی ارشاد ہوا:۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السّمٰوات والارض لیقولن اللہ۔ اور اگر اے مخاطب! تو ان سے پوچھے کہ ان آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور بنایا تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے اور صرف اللہ نے" اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو کفار و مشرکین بھی آسمان و زمین کا خالق یکتا سمجھتے تھے۔ تو اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مستحق عبادت خدائے واحد ہی ہے جو اپنی ذات و صفات میں یکہ و تنہا ہے۔ اور یہ بات اتنی صاف ظاہر ہے کہ اس کو ہر کوئی جانتا ہے۔ جانتے بوجھتے اس میں شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔

23 وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝
24 فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جس کو
ہم تھوڑا تھوڑا اتارتے جارہے ہیں اپنے بندۂ خاص پر، تو اس جیسی کوئی سورت
لاؤ اور دعوت دو اپنے حمایتی لوگوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا
نہ کرسکو اور تم ایسا ہرگز نہ کرسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کے ایندھن لوگ ہوں گے
اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے منکروں کے لئے۔"

یعنی اگر تم شک میں پڑے ہوئے ہو اس کتاب سے جو ہمارے بندۂ خاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑی تھوڑی اترتی جارہی ہے تو تم سب مل کر اس جیسی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا دوسرے تمام حمایتیوں کو بلا لاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرسکو اور تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو ڈرتے رہو اس آگ سے جسکو سلگایا گیا ہے لوگوں سے اور پتھروں سے جن کو تم پوجتے ہو یہ آگ منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔" یعنی پوجے جانے والے بتوں اور ان کے پجاریوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے۔

ریب وتردد کے اسباب

اوپر بتلایا گیا تھا کہ ریب وتردد وشک کسی کلام میں ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کلام سچا نہ ہو تو محل ریب وہ کلام ہوگا۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ کہہ کر پہلی صورت کی نفی فرمادی گئی تھی کہ قرآن کریم میں جو کچھ ارشاد الٰہی ہو رہا ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں جس کے واقعی اور صحیح ہونے میں کسی قسم کے ریب وتردد کی گنجائش ہو۔ اس اعتبار سے پورا قرآن کریم سچائی اور حقیقت نفس الامری سے مالا مال ہونا ظاہر ہوچکا۔ اور دوسری صورت ریب و تردد کی یہ ہو سکتی تھی کہ سننے والے کے قصور فہم اور بغض وعناد کو اس میں دخل ہو۔ اس صورت میں محل ریب خود سننے والے کے فہم کی کوتاہی اور اس کا بغض وعناد ہے اس کے دفعیہ کی آسان تدبیر بتلائی جارہی ہے کہ اگر قرآن کریم جو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہو رہا ہے اگر یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ بشری کلام ہے تو بشر تم بھی ہو اور فصاحت و بلاغت کے دعویدار ہو تم اس جیسا کوئی کلام بنالاؤ۔ جو کسی ایک سورت کے برابر ہو۔ سورۂ بقرہ تو (۲۸۶) آیات کریمہ پر مشتمل ہے۔ اتنی بڑی سورت نہ سہی قرآن کریم کی بعض سورتیں صرف تین آیات کریمہ پر مشتمل ہیں جیسے سورۂ کوثر اور سورۂ والعصر۔ ان جیسی کوئی سورت بنالاؤ جس کی ابتدا بھی ہو اور انتہا بھی۔ اگر سورۂ کوثر اور والعصر

بشری کلام ہے تو بشر تم بھی ہو تمہارے لئے ایسی کوئی سورت بنالانا کیا مشکل ہے؟ اگر تم سے یکہ و تنہا بنالانا نہ ہو سکے تو تمہارے ہم خیال اشخاص، مشہور شعراء خطباء ہیں فصاحت و بلاغت میں یدطولیٰ رکھتے ہیں ان سے مدد لے سکتے ہو یا اپنے معبودان باطل سے تضرع و زاری کے ساتھ التجا کر سکتے ہو کہ ایسے نازک وقت میں وہ سب مل کر تمہاری مدد کریں۔ اور ہم قبل از وقت سنائے دیتے ہیں کہ ایسی کوئی سورت نہ تو تم تیار کر سکتے ہو اور نہ تمہارے اعوان وانصار خواہ وہ شعراء ہوں یا خطباء فصحا ہوں یا بلغا یا تمہارے معبودان باطل جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ سب مل کر بھی کوئی سورت تیار نہیں کر سکتے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ اور اسی کے ضمن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی ثابت ہو چکی اس کے بعد بھی کسی کا منکر ہونا محض اس کا قصور فہم اور دیدہ و دانستہ بغض و عناد ہے جس کی سزا نار دوزخ ہے لہذا یا تو اس سزا کو بھگتنے کے لئے تیار رہو یا باطل خیالات کو چھوڑ کر خدا اور اس کے کلام اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی صداقت تسلیم کر کے ایمان لاؤ تاکہ نار دوزخ سے نجات ملے۔ تاریخ شاہد ہے کہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی کسی منکر کو اس کی جرأت نہیں ہو سکی پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔

کے ذریعہ آیا ہے وہ گندھک کے پتھر ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے پاس پیدا کیا ہے
اللہ نے ان کو جیسا چاہا پیدا کیا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ هِيَ حِجَارَةٌ
فِي النَّارِ مِنْ كِبْرِيتٍ أَسْوَدَ يُعَذَّبُوْنَ بِهِ مَعَ النَّارِ۔ (ابن جریر)
وہ دوزخی پتھر ہیں جو کالی گندھک کے پہاڑ ہیں جن کے ذریعہ کافروں کو سزا
دی جائے گی۔" حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں:۔ هِيَ حِجَارَةٌ مِنْ كِبْرِيتٍ
خَلَقَهَا اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا
فَأَعَدَّهَا لِلْكَافِرِيْنَ۔ (ابن جریر) وہ گندھک کے پہاڑ ہیں جن کو اللہ سبحانہ
تعالیٰ نے اسی دن پیدا کیا جبکہ آسمانوں اور زمین کو آسمان دنیا پر پیدا کیا پھر ان کو
کافروں کے لئے تیار کر رکھا۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
فَقَالَ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ عَامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَأَلْفَ عَامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ
وَأَلْفَ عَامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ لَا يُطْفَأُ لَهَبُهَا۔
(ابن مردویہ، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ وقودھا الناس
تلاوت فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ ان پتھروں کو پیدا کرنے کے بعد
ایک ہزار سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا۔ کہ وہ پتھر سیاہ ہو گئے۔ پھر ایک ہزار

کے ذریعہ آیا ہے وہ گندھک کے پتھر ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے پاس پیدا کیا ہے
اللہ نے ان کو جیسا چاہا پیدا کیا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ هِيَ حِجَارَةٌ
فِي النَّارِ مِنْ كِبْرِيْتٍ اَسْوَدَ يُعَذَّبُوْنَ بِهٖ مَعَ النَّارِ۔ (ابن جریر)
"وہ دوزخی پتھر ہیں جو کالی گندھک کے پہاڑ ہیں جن کے ذریعہ کافروں کو سزا
دی جائے گی۔" حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں:۔ هِيَ حِجَارَةٌ مِنْ كِبْرِيْتٍ
خَلَقَهَا اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي السَّمَآءِ الدُّنْيَا
فَاَعَدَّهَا لِلْكَافِرِيْنَ۔ (ابن جریر) "وہ گندھک کے پہاڑ ہیں جن کو اللہ سبحانہ
تعالیٰ نے اسی دن پیدا کیا جبکہ آسمانوں اور زمین کو آسمان دنیا پر پیدا کیا پھر ان کو
کافروں کے لئے تیار کر رکھا۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
فَقَالَ اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ عَامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ
وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَآءُ مُظْلِمَةٌ لَا يُطْفَاُ لَهَبُهَا۔
(ابن مردویہ، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ وقودھا الناس
تلاوت فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ "ان پتھروں کو پیدا کرنے کے بعد
ایک ہزار سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا۔ کہ وہ پتھر سیاہ ہوگئے۔ پھر ایک ہزار

سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا تاآنکہ وہ سفید ہو گئے۔ پھر مزید ایک ہزار سال تک ان کو سلگایا جاتا رہا کہ وہ سب سیاہ ہو گئے۔ اب وہ سیاہ تاریک ہیں جن کے شعلے نہ بجھنے نہیں پاتے۔"

نار دوزخ کی اہمیت نار دوزخ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:-

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُ بَنِیْ آدَمَ الَّتِیْ تُوْقِدُوْنَ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَھَنَّمَ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنْ کَانَتْ لَکَافِیَۃً قَالَ فَاِنَّھَا فُضِّلَتْ عَلَیْھَا بِتِسْعَۃٍ وَّسِتِّیْنَ جُزْءً کُلُّھُنَّ مِثْلُ حَرِّھَا۔ (امام احمد، امام مالک، بخاری، مسلم، بیہقی) حضور اقدس و اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم کی آگ جس کو تم لوگ سلگایا کرتے ہو دوزخ کی آگ کا ۱/۷۰ حصہ ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جلانے کے لئے تو یہی بس تھی۔ آپ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ اس آگ سے ۶۹/۷۰ درجے بڑھی ہوئی ہے جس کے ہر جزو میں اتنی ہی حرارت بڑھ چڑھ کر ہے۔" العیاذ باللہ۔ اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی مروی ہے جو ترمذی شریف میں بروایت حسن مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت یوں ہے:- قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

أُوْقِدَتِ النَّارُ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ۔ (ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی) حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ ایک ہزار سال تک دھونکی جاتی رہی یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک دھونکا جاتا رہا تا آنکہ وہ سپید ہو گئی۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک دھونکا جاتا رہا تا آنکہ وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ حد درجہ سیاہ و تاریک ہے۔" (خدا کی پناہ) حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت اور مروی ہے۔ انھوں نے کہا:۔ أَتَرَوْنَهَا حَمْرَاءَ مِثْلَ نَارِكُمْ هٰذِهِ الَّتِي تُوْقِدُوْنَ إِنَّهَا لَأَشَدُّ سَوَادًا مِنَ الْقَارِ۔ (امام مالک، بیہقی) نار دوزخ کو کیا تم اپنی آگ کی طرح سرخ خیال کرتے ہو جس کو تم لوگ سلگاتے ہو؟ نار دوزخ ڈانبر سے بھی زیادہ تر سیاہ ہے۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ إِنَّ نَارَكُمْ هٰذِهِ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَلَوْلَا أَنَّهَا أُطْفِئَتْ بِالْمَاءِ مَرَّتَيْنِ مَا انْتَفَعْتُمْ مِنْهَا بِشَيْءٍ لَتَدْعُو اللهَ أَنْ لَّا يُعِيْدَهَا فِيْهَا۔ (ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ) یقین جانو کہ تمھاری

یہ آگ، نارِ جہنم کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اور اگر تمھاری آگ پانی میں دو دفعہ ڈبوئی گئی نہ ہوتی تو تم اس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ کر سکتے اور تمھاری یہ آگ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہتی ہے کہ اس کو دوبارہ دوزخ میں نہ لیجایا جائے۔" حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ انّ نارکم ھذہ تعوّذ من نار جھنّم (ابن ابی حاتم)

تمھاری یہ آگ، نارِ دوزخ سے پناہ مانگتی رہتی ہے۔"

اعدّت للکافرین کی تفسیر

اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ۔ تیار کی گئی ہے منکروں کے لئے۔" یعنی دوزخ اور اس کی جملہ تکالیف خدا تعالیٰ کے منکرین کو سزا دینے کے لئے تیار کی گئی ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:۔ اَیْ لِمَنْ کَانَ عَلٰی مِثْلِ مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ مِنَ الْکُفْرِ۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم) یعنی یہ دوزخ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو حالت کفر پر قائم ہوں، جیسا کہ تم قبول اسلام سے قبل حالت کفر پر تھے۔ اگر اسی حال پر تمھارا خاتمہ ہوتا تو تمھارا حشر بھی یہی ہوتا۔ لیکن تم کو شکر گزار رہنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو کفر سے نکال کر ایمان و اسلام کی طرف لایا۔ اب اس پر قائم رہو تو نارِ جہنم سے نجات پاؤ گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

2-25

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا
هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ
مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اور (اے نبی کریم!) خوشخبری سنایئے
ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک کام کہ ان کے لئے باغات ہیں
بہتی رہینگی ان کے نیچے نہریں، جب کبھی دیا جائے گا ان کا پھل کھانے کو تو کہیں گے
یہ وہی میوہ ہے جو دیا گیا تھا ہم کو اس سے پیشتر، اور لایا جائے گا ایک ایک پھل
دوسرے سے ملتا جلتا، اور ان کے لئے بی بیاں ہوں گی پاکیزہ صاف ستھری،
اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ماقبل سے ربط دار آخرت میں کافروں کا ٹھکانا اور اس کے احوال بتانے کے بعد، اہل ایمان صالحین کے لئے جو تیاری وہاں کی گئی ہے اس کو بیان فرمایا جارہا ہے تاکہ فریقین کا حال اور ان کا باہمی امتیاز ظاہر ہو جائے۔ اور ہر فریق اپنے لئے جو مقام پسند کرے اس کے مطابق اور مناسب حال رویہ اختیار کرے۔ کیونکہ اس میں کسی پر کسی قسم کا جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ اپنی اپنی پسند ہے جو راہ چاہے اس کو اختیار کرکے اسی پر گامزن ہو۔

ایمان اساس اور عمل صالح عمارت ہے

باری تعالیٰ شانہ عز اسمہٗ کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہو رہا ہے:۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

اور (اے نبی کریم!) خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کرتے رہے نیک۔ کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں“۔ اس آیۂ کریمہ میں استحقاق جنت کی دو شرطیں بتائی گئی ہیں۔ ایک ایمان اور دوسری اعمال صالحہ۔ ایمان جو شرط اول ہے وہ بمنزلۂ اساس اور پائے کے ہے کہ پائے کے بغیر کوئی عمارت قائم و برقرار نہیں رہ سکتی۔ اور دوسری شرط جو اعمال صالحہ کی ہے وہ عمارت ہے۔ ایمان و عمل اگرچہ دو مستقل شرطیں ہیں لیکن ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایمان نہ ہو اور انسان اعمال صالحہ کرتا رہے تو عمل کا کوئی ثمرہ اس کو نہیں مل سکتا۔ اسی طرح اگر صرف ایمان ہو اور اعمال صالحہ میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو تو صرف پائے اور اساس سے اس بشارت کا کوئی فائدہ اس کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں آمَنُوْا[1] وَعَمِلُوا[2] الصَّالِحَاتِ کی دو شرطیں عاید کی گئی ہیں۔

تحصیل جنت کی ترغیب

حضرت اسامہ بن زید رضی فرماتے ہیں کہ حضور رسول الثقلین

حضرت مطلب بن حنطب فرماتے ہیں :۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ سَاعَۃٍ مِّنْ لَیْلٍ وَّ لَا نَھَارٍ اِلَّا وَالسَّمَآءُ تَمْطُرُ فِیْھَا یَصْرِفُہُ اللّٰہُ حَیْثُ یَشَآءُ۔ (کتاب الام للشافعی ابن ابی الدنیا) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات دن کی کوئی گھڑی ایسی گزرنے نہیں پاتی جس میں آسمان سے بارش نہ برستی ہو۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ جہاں چاہے اس کو پھیر دیتا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے :۔ مَا نَزَلَ مَطَرٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَّا وَمَعَہُ الْبَذْرُ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ بَسَطْتُمْ نِطْعًا لَّرَاَیْتُمُوْہُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) آسمان سے جب کبھی کوئی بارش ہوتی ہے تو اس کے ساتھ تخم (بیج) بھی ہوتے ہیں۔ اگر تم برسات ہوتے وقت کوئی کپڑا (ٹاٹ وغیرہ) بچھا دو تو (آسمان سے اترے ہوئے بیج بھی ضرور دیکھ لوگے") حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ اَلْمَطَرُ مِزَاجُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ فَاِذَا عَظُمَ الْمِزَاجُ عَظُمَتِ الْبَرَکَۃُ وَاِنْ قَلَّ الْمَطَرُ وَاِذَا قَلَّ الْمِزَاجُ قَلَّتِ الْبَرَکَۃُ وَاِنْ کَثُرَ الْمَطَرُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) بارش کو ربط و مناسبت جنت سے ہے۔ جب اس کا ربط زیادہ ہوتا ہے تو اس میں برکت بھی زیادہ ہوتی ہے اگرچہ بارش کم ہو۔ اور جب اس کا ربط و تعلق جنت سے کم ہو تو اس میں برکت بھی کم ہوتی ہے اگرچہ بارش زیادہ ہو" حضرت حسن بصریؒ

کمربستہ ہیں" گویا دنیا ہی میں جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنت کی بشارت سنا دی گئی۔ رضی اللہ عنھم۔

جنت کی تعمیر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حَدِّثْنَا عَنِ الْجَنَّۃِ مَا بِنَاؤُھَا؟ قَالَ لَبِنَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ وَّ لَبِنَۃٌ مِنْ فِضَّۃٍ وَّحَصْبَاؤُھَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَمِلَاطُھَا الْمِسْکُ وَ تُرَابُھَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَدْخُلُھَا یَنْعَمُ لَا یَبْأَسُ لَا تَبْلٰی ثِیَابُہٗ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُہٗ ۔ (امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ترمذیؒ ابن حبان بیہقیؒ) ہم عرض پرداز ہوئے کہ اے خدا کے پیارے رسول ! ہم سے جنت کی صفت بیان فرمائیے کہ اس کی تعمیر کیسی ہے ؟ ارشاد مبارک ہوا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی (یعنی جنت کی دیواریں گنگا جمنی اینٹوں کی ہوں گی) اور اس کا کنکر یٹ لعل و گہر کا اور اس کی استرکاری مُشک کی اور اس کی مٹی زعفران کی طرح خوشبودار خوش رنگ) جو اس میں داخل ہوگا دل پسند نعمتوں سے مالامال ہوگا کسی طرح کی ناگواری نہ ہوگی ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیگا اسکے کپڑے بوسیدہ نہ ہوں گے اور اس کا شباب زائل نہ ہوگا۔

جنت کی صفت حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں :۔ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَنَّةِ كَيْفَ هِيَ قَالَ مَنْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ يَحْيَا لَا يَمُوْتُ وَيُنْعَمُ لَا يَبْأَسُ لَا تَبْلٰى ثِيَابُهٗ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهٗ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ بِنَآؤُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ مِلَاطُهَا مِسْكٌ اِذْفَرُ وَحَصْبَآؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ وَتُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ ۔ (ابن ابی شیبہ ابن ابی الدنیا طبرانی ابن مردویہ) حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کے باب میں سوال کیا گیا کہ وہ کیسی ہے؟ فرمایا جو کوئی جنت میں داخل ہوگا زندہ رہے گا اس کو کبھی موت نہ آئے گی۔ خوش عیش رہے گا کوئی ناگواری نہ ہوگی۔ اس کا لباس بوسیدہ نہ ہوگا اور نہ اس کا شباب کبھی زائل ہوگا۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس تعمیر کیسی ہے؟ فرمایا کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے۔ اسکی استرکاری مہکتے ہوئے مشک کی اور اس کا کنکریٹ لعل و گہر کا ہے۔ اور اسکی مٹی زعفران ہے۔"

اہل جنت کا بخور حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اِنَّ حَائِطَ الْجَنَّةِ لَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمَجَامِرُهُمُ الْاَلُوَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ

تُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ وَطِيْبُهَا الْمِسْكُ۔ (بزار، بیہقی) جنت کی دیواریں سونے کی ایک ایک اینٹ اور چاندی کی ایک ایک اینٹ سے بنی ہوئی ہیں اور ان کا بخور اَلْمُوَّۃ ہوگا (یہ اعلیٰ درجہ کا عود ہے جو نہایت نایاب ہے) اور اس کی کنگھیاں سونے کی اور اس کی مٹی زعفران اور اس کا عطر مشک کا ہوگا۔"

رحمت کی ہوا سے جنتیوں کا حسن دوبالا

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اَرْضُ الْجَنَّةِ بَيْضَاءُ عَرْصَتُهَا صُخُوْرُ الْكَافُوْرِ وَقَدْ اَحَاطَ بِهِ الْمِسْكُ مِثْلُ كُثْبَانِ الرَّمْلِ فِيْهَا اَنْهَارٌ مُطَّرِدَةٌ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمْ يَتَعَارَفُوْنَ فَيَبْعَثُ اللهُ عَلَيْهِمْ رِيْحَ الرَّحْمَةِ عَلَيْهِمُ الْمِسْكُ فَيَرْجِعُ الرَّجُلُ اِلٰى زَوْجِهٖ وَقَدِ ازْدَادَ حُسْناً وَّطِيْباً فَتَقُوْلُ لَقَدْ خَرَجْتَ مِنْ عِنْدِيْ وَاَنَا بِكَ مُعْجَبَةٌ وَاَنَا بِكَ الْآنَ اَشَدُّ اِعْجَاباً۔ (ابن ابی الدنیا) جنت کی زمین سپید ہوگی اس کے میدانوں میں کافور کی چٹانیں ہوں گی جن کو مشک اس طرح گھیرا ہوا ہوگا جیسے کہ ریتی کے ٹیلے ہوتے ہیں اس میں مسلسل بہتی ہوئی نہریں ہوں گی۔ ان کو دیکھنے کے لیے اہل جنت اول سے آخر تک جمع ہوں گے جو ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ پھر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ

ان پر رحمت کی ہوا چلائے گا تو ان پر مشک پڑا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد ایک ایک شخص اپنی بی بی کے پاس لوٹ آئے گا ایسی حالت میں کہ اس کے حسن اور خوشبو میں معقول اضافہ ہوگا تو وہ کہے گی کہ آپ میرے پاس سے جا رہے تھے تو میں آپ کو بہت پسند کرتی تھی اور اب تو میں آپ کو بہت زیادہ پسند کرتی ہوں۔

جنت شاہی محل حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اِنَّ اللّٰہَ اَحَاطَ حَائِطَ الْجَنَّۃِ بِلَبِنَۃٍ مِنْ ذَھَبٍ وَلَبِنَۃٍ مِنْ فِضَّۃٍ ثُمَّ شَقَّقَ فِیْھَا الْاَنْھَارَ وَغَرَسَ فِیْھَا الْاَشْجَارَ فَلَمَّا نَظَرَتِ الْمَلَائِکَۃُ اِلٰی حُسْنِھَا وَزَھْرَتِھَا قَالَتْ طُوْبَاکِ مَنَازِلَ الْمُلُوْکِ ۔ (بزار، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جنت کی دیوار کا احاطہ سونے چاندی کی اینٹوں سے تیار کرایا ہے۔ پھر اس میں نہریں کاٹ لائیں۔ پھر اس میں درخت لگائے۔ فرشتوں نے جب قصر جنت کی یہ خوبصورتی اور تازگی و رونق دیکھی تو بے ساختہ بول اٹھے کہ بادشاہوں کے یہ محلات قابل مبارک باد ہیں"

بخیل جنت میں نہ جائے گا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ خَلَقَ اللّٰہُ جَنَّۃَ عَدْنٍ بِیَدِہٖ وَذَلَّلَ فِیْھَا ثِمَارَھَا وَشَقَّ فِیْھَا اَنْھَارَھَا ثُمَّ نَظَرَ اِلَیْھَا فَقَالَ لَھَا تَکَلَّمِیْ

فَقَالَتْ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ فَقَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا یُجَاوِرُنِیْ فِیْكِ بَخِیْلٌ۔ (طبرانی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جنت عدن کو خاص اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اس کے میووں کو بسہولت چننے کے قابل بنایا۔ پھر اس میں نہریں کاٹ کر نکالیں پھر اس کو دیکھا اور فرمایا کہ کچھ بول۔ اس نے کہا یقیناً اہل ایمان اپنی مراد کو پہنچے۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا۔ میری عزت و جلال کی قسم! میرے پڑوس میں تجھ میں کوئی بخیل نہ آسکیگا" مراد یہ ہے کہ بخل کی سزا کیلئے بغیر بخیل جنت میں نہ آسکیگا حضرت سعدیؒ نے غالباً یہیں سے فرمایا ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر بہشتی نباشد بحکم خبر

جنتیوں کا لباس حضرت ابن عباسؓ سے ابو زمیل نے دریافت کیا :۔

مَا اَرْضُ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ مَرْمَرَةٌ بَيْضَاءُ مِنْ فِضَّةٍ كَاَنَّهَا مِرْاٰةٌ قَالَ مَا نُوْرُهَا قَالَ مَا رَاَيْتَ السَّاعَةَ الَّتِيْ يَكُوْنُ فِيْهَا طُلُوْعُ الشَّمْسِ فَذَالِكَ نُوْرُهَا اِلَّا اَنَّهُ لَيْسَ فِيْهَا شَمْسٌ وَلَا زَمْهَرِيْرٌ قَالَ فَمَا اَنْهَارُهَا اَفِيْ اُخْدُوْدٍ قَالَ لَا وَلٰكِنَّهَا يَفِيْضُ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ لَا يَفِيْضُ هٰهُنَا وَلَا هٰهُنَا قَالَ فَمَا حُلَلُهَا قَالَ فِيْهَا الشَّجَرُ فِيْهَا الثَّمَرُ كَاَنَّهُ الرُّمَّانُ فَاِذَا اَرَادَ وَلِيُّ اللّٰهِ مِنْهَا كِسْوَةً

اِنْحَدَرَتْ اِلَیْہِ مِنْ اَغْصَانِھَا فَانْفَلَقَتْ لَہٗ مِنْ سَبْعِیْنَ حُلَّۃٍ اَلْوَانًا بَعْدَ اَلْوَانٍ ثُمَّ لَتَطْبِقُ فَتَرْجِعُ کَمَا کَانَتْ (ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ) ارض جنت کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ پانی بہتی ہوئی سفید ہے چاندی سے بنی ہوئی گویا کہ وہ آئینہ ہے۔ پھر پوچھا کہ اسکی روشنی کا کیا حال ہے؟ جواب ملا کہ آفتاب طلوع ہونے وقت جو روشنی ہوتی ہے اسی کے مثل سمجھ لو لیکن وہاں نہ آفتاب کی گرمی ہوگی اور نہ زمہریر کی سردی۔ پھر پوچھا کہ اس کی نہروں کا کیا حال ہے؟ کیا نالیاں بنی ہوئی ہیں؟ فرمایا کہ نہیں لیکن سطح زمین پر پانی بہتا رہتا ہے ندیاں اور نہ نالیاں وہ یعنی سیدھی چلتی ہیں ادھر ادھر پھیلتی نہیں پھر پوچھا کہ جنت کے لباس کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ جنت میں درخت ہیں جن پر بار آیا ہوا ہے انار کے مانند جب کوئی ولی اللہ اس سے کپڑوں کا جوڑا لینا چاہتا ہے تو درخت کی شاخیں جھک پڑتی ہیں اور ان کے پھل شق ہو کر رنگ برنگ کے ستر جوڑے برآمد ہوتے ہیں (جو چاہو لیکر زیب تن کرو) اس کے بعد وہ پھل بند ہو جاتے اور شاخیں اپنی سابقہ حالت پر آجاتی ہیں۔"

جنت کا ذرا سا حصہ دنیا و ما فیہا سے بہتر

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ نے فرمایا کہ حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (امام احمد بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ) جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ بھی دنیا ومافیہا سے کہیں بہتر ہے۔" حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ لَشِبْرٌ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (ابن ابی شیبہ، ہناد بن سری، ابن ماجہ) جنت کی بالشت بھر جگہ بھی دنیا وما فیہا سے کہیں بہتر ہے۔" حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لَوْ اَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِّمَّا فِي الْجَنَّةِ لَتَزَخْرَفَتْ لَهُ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَ فَبَدَا اَسَاوِرُهُ لَطَمَسَ ضَوْءَ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُوْمِ۔ (ترمذی، ابن ابی الدنیا) فرض کرو کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز جنت کی ناخن برابر بھی اٹھالائی جائے تو آسمانوں اور زمین کے درمیان کی تمام فضا روشن ہوجائے۔ اور اگر فرض کرو کہ اہل جنت میں سے ایک شخص بھی دنیا کی طرف جھانک لے اور اس کا ایک کنگن بھی ظاہر ہوجائے تو آفتاب کی روشنی غائب ہوجائے جیسا کہ آفتاب کی روشنی سے تمام تاروں کی روشنیاں غائب ہوجاتی ہیں۔" حضرت ابو ہریرہؓ

فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ۔ (امام احمد بخاری مسلم) تم میں سے کسی ایک کی کمان کے برابر جگہ بھی جنت میں ان تمام چیزوں سے کہیں بہتر ہے جن پر آفتاب طلوع یا غروب ہوتا رہتا ہے"۔

شہید کا مقام جنت الفردوس حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ اُصِیْبَ حَارِثَۃُ یَوْمَ بَدْرٍ فَجَآءَتْ اُمُّہٗ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ عَلِمْتَ مَنْزِلَۃَ حَارِثَۃَ مِنِّیْ فَاِنْ یَّکُنْ فِی الْجَنَّۃِ صَبَرْتُ وَاِنْ یَکُنْ غَیْرَ ذٰلِکَ تَرٰی مَا اَصْنَعُ فَقَالَ اِنَّھَا لَیْسَتْ بِجَنَّۃٍ وَاحِدَۃٍ اِنَّھَا جِنَانٌ کَثِیْرَۃٌ وَاِنَّہٗ فِی الْفِرْدَوْسِ الْاَعْلٰی۔ (بخاری) غزوہ بدر میں حارثہؓ شہید ہوگئے تو ان کی ماں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض رسا ہوئیں کہ یارسول اللہ حارثہ سے مجھے جو دلبستگی تھی وہ آپ کو خوب معلوم ہے۔ اب اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کر لوں گی۔ اور اگر اس کے سوا کوئی اور بات ہے تو میں جو کچھ کروں گی آپ اس کو مشاہدہ فرمالیں گے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت ایک نہیں ہے

بہت سارے باغات ہیں اور حارثہ فردوس اعلیٰ میں ہے "جنت الفردوس وسط جنت ہے۔ خیرالامور اوسطھا مشہور ہے۔ یہ انگور کا باغ ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ حارثہ کم عمر نابالغ تھے۔ بچوں کو غزوات میں لے جانے کا دستور نہ تھا۔ یہ بلا علم و اطلاع غازیان اسلام کے ساتھ غزوہ بدر میں چلے گئے۔ وہاں جانے کے بعد پانی پینے یا لینے کے لئے پانی کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ اسی اثنا میں کافروں کی طرف سے ایک تیر آیا اور ان کو لگ گیا جس سے حارثہ شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سحر خیزی کی فضیلت: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ۔ (ترمذی بروایت حسن حاکم بروایت صحیح) جو ڈرتا ہے وہ سویرے اٹھتا ہے اور جو صبح سویرے اٹھتا ہے وہ منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ سبحانہ کا سامان گراں قدر ہے۔ کوئی چیز مطلوب ہے تو اس کی قیمت بھی ادا کرنی ہوگی۔ جنت کا طلبگار خواب غفلت میں پڑا نہیں رہتا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے ان کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے: ـــــ

جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔ (حاکم)

آئی کپکپا دینے والی گھڑی۔ اس کے بعد آنے والی گھڑی بھی آگئی۔ موت اپنے لوازم کے ساتھ آچکی ''۔ ساعت قیامت مراد ہے۔ جو لرزہ براندام کرنے والی ہے اس کی ابتدا ساعت موت سے ہوتی ہے۔

اہل جنت کی خوبصورتی ترقی پر ہوگی

حضرت ابوہریرۃؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ وَالَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ لَیَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَّجَمَالًا کَمَا تَزْدَادُوْنَ فِی الدُّنْیَا قَبَاحَۃً وَّھَرَمًا۔ (ابن ابی شیبہ) قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی کتاب کریم قرآن عظیم اتاری یقیناً اہل جنت کا حسن وجمال (یوماً فیوماً بلکہ ساعۃً فساعۃً) ترقی پر ہوگا جیسا کہ دنیا میں تمہاری بدصورتی اور بڑھاپا بڑھتا رہتا تھا''۔ ایک شاعر نے لکھ مارا ؎

ایسی جنت کو کیا کریں لے کر　　جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

کاش یہ حدیث شریف اس کے پیش نظر ہوتی۔

نہروں کا بیان

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ۔ ''ان باغات کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی''۔ حضرت ابو مالکؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:۔ اَیْ یَعْنِیْ الْمَسَاکِنَ تَجْرِیْ اَسْفَلَھَا اَنْھَارُھَا۔ (ابن ابی حاتم)

یعنی جنتی مکانات کے زیریں حصے سے نہریں بہتی ہوں گی ۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ تَفْجُرُ مِنْ تَحْتِ جِبَالِ مِسْكٍ۔ (ابن ابی حاتم، ابن حبان، طبرانی، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) جنت کی نہریں، مشک کے پہاڑوں کے نیچے سے پھوٹ نکلتی ہیں ۔" حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس کو ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن حبان بیہقی نے بروایت صحیح) اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

نہر بیدخ کی سیر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْبَيْدَخُ عَلَيْهِ قِبَابٌ مِنْ يَاقُوْتٍ تَحْتَهُ جَوَارٍ نَابِتَاتٌ يَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ انْطَلِقُوْا بِنَا اِلَى الْبَيْدَخِ فَيَجِيْئُوْنَ فَيَتَصَفَّحُوْنَ تِلْكَ الْجَوَارِيَ فَاِذَا اَعْجَبَ رَجُلًا مِنْهُمْ جَارِيَةٌ مَسَّ مِعْصَمَهَا فَتَتْبَعُهُ وَتَنْبُتُ مَكَانَهَا اُخْرٰى۔ (امام احمد، مسلم) یقین جانو کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کو "بیدخ؏" کہا جاتا ہے اس کے دونو

؏ بیدخ "بادہ" کا معرب ہے۔ یعنی شراب کی نہر۔

کناروں پر لعل سرخ کے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اس کے نیچے جوان لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جنتی لوگ کہیں گے کہ ہم کو بیدخ کی طرف لے چلو۔ چنانچہ وہ آئیں گے اور اُن لڑکیوں کو یکے بعد دیگرے دیکھیں گے۔ ان میں سے کسی شخص کو ان میں کی کوئی لڑکی پسند آئے گی تو اس کی کلائی کو چھولے گا۔ چھونے کے ساتھ ہی وہ اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ اور اس کی جگہ دوسری پیدا ہوگی "

ایک صحابیہ کا رویائے صالحہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُہُ الرُّؤْیَا فَجَاءَتِ امْرَأَۃٌ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَأَنِّیْ اُخْرِجْتُ فَاُدْخِلْتُ الْجَنَّۃَ فَسَمِعْتُ وَجْبَۃً ارْتَجَّتْ لَھَا الْجَنَّۃُ فَاِذَا اَنَا بِفُلَانٍ وَ فُلَانٍ حَتّٰی عَدَّتِ اثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا وَ قَدْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً قَبْلَ ذٰلِکَ تَجِیْءُ بِھِمْ عَلَیْھِمْ ثِیَابٌ طُلْسٌ تَشْخَبُ اَوْدَاجُھُمْ فَقِیْلَ اذْھَبُوْا بِھِمْ اِلٰی نَھَرِ الْبَیْدَخِ فَغَمَسُوْا فِیْہِ فَخَرَجُوْا وُجُوْھُھُمْ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَ اُتُوْا بِکَرَاسِیَّ مِنْ ذَھَبٍ فَقَعَدُوْا عَلَیْھَا وَجِیْءَ بِصَحْفَۃٍ مِنْ ذَھَبٍ فِیْھَا بُسْرَۃٌ فَاَکَلُوْا مِنْ بُسْرِہٖ مَا شَاءُوْا فَمَا یُقَلِّبُوْنَھَا

الیٰ جهةٍ اِلّا اَکلوا منَ فَاکِهَةٍ مّا شآءُوْ۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب پسند آتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت آئی اور عرض رسا ہوئی کہ اے اللہ کے پیارے رسول! میں نے خواب دیکھا گویا میں دنیا سے نکال دی گئی اور مجھے جنت میں داخل کیا گیا میں نے لوگوں کے آنے کی آہٹ سنی جس سے جنت بھی ان کے آنے کی مشتاق ہو گئی۔ ایسے میں میں نے دیکھا فلاں فلاں اس طرح بارہ آدمیوں کے نام اس نے گن بتائے جن کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستۂ فوج کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا تھا۔ پھر ان کو لایا گیا وہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور ان کی رگوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ پھر کہا گیا کہ ان کو نہر بیدخ کی طرف لے جاؤ۔ یہ لوگ وہاں پہنچے اور نہر میں ایک غوطہ لگایا۔ پھر وہ باہر نکلے تو ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ پھر ان کے لئے طلائی کرسیاں لائی گئیں اور وہ ان پر آرام سے بیٹھ گئے۔ اور ایک سونے کا طبق لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ ان لوگوں نے اس میں سے جتنا جی چاہا کھائیں یہ لوگ اس کے جس حصے کی طرف رخ کرتے جتنے میوے چاہتے کھاتے تھے۔"

مذکورہ خواب کی تصدیق	فَجَآءَ الْبَشِیْرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ

كَذَا وَكَذَا وَاُصِيْبَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ حَتّٰى عَدَّ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَقَالَ عَلَيَّ بِالْمَرْأَةِ فَجَاءَتْ فَقَالَ قُصِّي رُؤْيَاكِ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ الرَّجُلُ هُوَ كَمَا قَالَتْ اُصِيْبَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ۔ (امام احمد عبد بن حمید، نسائی، ابویعلیٰ، بیہقی، ضیاء مقدسی بروایت صحیحہ) اتنے میں خوشخبری دینے والا پیام رساں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! (آپ نے جو فوجی دستہ روانہ فرمایا تھا اس کو) ایسی ایسی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور فلاں فلاں اشخاص کام آئے ایسے بارہ شہیدوں کے نام اس نے گن بتائے حضور اکرمؐ کا ارشاد ہوا اس عورت کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنا خواب ان سے بیان کرو۔ پیام رساں نے کہا کہ واقعہ بالکل ایسا ہی پیش آیا کہ فلاں فلاں بارہ آدمی شہید ہوئے۔"

اہل جنت کی سامعہ نوازی

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: — اِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهَرًا طُوْلَ الْجَنَّةِ حَافَتَاهُ الْعَذَارَىٰ قِيَامٌ مُتَقَابِلَاتٌ يُغَنِّيْنَ بِاَحْسَنِ اَصْوَاتٍ يَسْمَعُهَا الْخَلَائِقُ حَتّٰى مَا يَرَوْنَ اَنَّ فِي الْجَنَّةِ لَذَّةً مِثْلُهَا قُلْنَا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَمَا ذَاكَ الْغِنَاءُ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ التَّسْبِيْحُ وَالتَّحْمِيْدُ وَالتَّقْدِيْسُ وَثَنَاءٌ

عَلَى السَّرَابِ (بیہقی) جنت میں ایک نہر ہے جہاں تک جنت کی درازی ہے وہ نہر بھی رواں ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر دوشیزہ لڑکیاں آمنے سامنے خوش آوازی سے گاتی کھڑی ہیں۔ جس کو تمام اہل جنت کمال دلچسپی اور محویت سے سنتے رہیں گے۔ ان کا یہ خیال ہوگا کہ جنت میں ایسی کوئی لذت نہ ہوگی۔ ہم نے کہا ابو ہریرہ! وہ گانا کیا ہوگا؟ فرمایا ان شاء اللہ تسبیح تقدیس اور اور حمد و ثنائے رب العالمین پر مشتمل ہوگا۔"

دوشیزہ اگانے والی نہر حضرت معتمر بن سلیمانؓ فرماتے ہیں:۔ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهَرًا يُنْبِتُ الْجَوَارِي الْاَبْكَارَ۔ (امام احمد دارقطنی) "یقین جانو جنت میں ایک نہر ایسی بھی ہے جس سے دوشیزہ باکرہ لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں" حضرت انسؓ سے یہ مرفوع حدیث مروی ہے:۔ فِي الْجَنَّةِ نَهَرٌ يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ عَلَيْهِ مَدِيْنَةٌ مِّنْ مَّرْجَانٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ بَابٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّفِضَّةٍ لِحَامِلِ الْقُرْآنِ۔ (ابن عساکر) جنت میں ایک نہر ہے جس کو ریّان کہا جاتا ہے اس پر ایک شہر بسا ہوا ہے مرجان سے بنا ہوا۔ اس کے ستر ہزار دروازے سونے چاندی کے ہوں گے۔ یہ شہر حافظ قرآن کے لئے مختص ہوگا۔

انہار جنت کی خوشبو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:۔ لَعَلَّكُمْ تَظُنُّوْنَ اَنَّ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ اُخْدُوْدٌ فِي الْاَرْضِ لَا وَاللّٰهِ اِنَّهَا لَسَائِحَةٌ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ حَافَتَاهَا خِيَامُ اللُّؤْلُؤِ وَطِيْنُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاَذْفَرُ قَالَ الَّذِيْ لَا خِلْطَ مَعَهُ۔ (ابن مردویہ، ابونعیم، ضیاء مقدسی) شاید تمہارا گمان یہ ہے کہ جنت کی نہریں زمین میں نالیاں کھود کر لائی گئی ہیں۔ بخدا ایسا نہیں ہے۔ وہ روئے زمین پر بہہ رہی ہیں۔ اس کے دونوں کناروں پر موتی کے ڈیرے لگائے ہوئے ہیں اس کا کیچڑ خالص مشک اذفر ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اذفر سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔"

انہار جنت کی روانی

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا:۔ اِنَّ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَشْخُبُ مِنْ جَنَّةِ عَدْنٍ فِيْ جَوْبَةٍ ثُمَّ تَصَدَّعُ بَعْدُ اَنْهَارًا۔ (ابن ابی الدنیا، ابن مردویہ، ضیاء) یقین جانو کہ جنت کی نہریں جنت عدن سے یک دم بہ نکلتی ہیں۔ پھر بعد کو متفرق نہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔"

اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا کی تفسیر

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔

جب کبھی کوئی رزق ان کو کھانے کیلئے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی چیز ہے جو ہم کو اس سے پہلے کھانے کو دی گئی تھی اور ان کے پاس ملتے جلتے میوے لائے جائیں گے۔"

حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے انھوں نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:۔۔ اُتُوْا بِالثَّمَرَۃِ فِی الْجَنَّۃِ فَنَظَرُوْا اِلَیْھَا فَقَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ فِی الدُّنْیَا وَاُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا اللَّوْنِ وَالْمَرْاٰی وَلَیْسَ یُشْبِہُ الطَّعْمَ۔ (ابن جریر) جنتیوں کے پاس جنت میں میوے لائے جائیں گے۔ وہ ان کو دیکھتے ہی کہیں گے یہ تو وہی ہیں جو ہم کو اس سے پیشتر دنیا میں کھانے کو دیے گئے تھے۔ اور ان کے پاس ان سے صرف رنگ اور دیکھنے میں ملتے جلتے میوے لائے جائیں گے جو ذائقہ دار اور مزے میں ان کے مشابہ نہ ہونگے۔"

یعنی جنتی میوں کی صورت اور رنگت دنیا کے میووں سے ملتی جلتی ہو گی لیکن ان کا ذائقہ اور مزہ ایسا عمدہ ہو گا کہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہو گا کہ یہ میوہ ایسا ذائقہ دار بھی ہوتا ہے اور اس میں ایسی خوشبو بھی ہوتی ہے؟ دنیا کے میووں سے ملتے جلتے میوے لانے میں حکمت یہ ہے کہ مختلف صورت اور رنگ کے میووں سے اہل جنت کو وحشت نہ ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟ ان کو کوئی کھاتا بھی ہے؟ اور اس کے کھانے کا کیا طریقہ ہے؟

دنیا میں کھائے ہوئے میوے لائے جائیں تو چونکہ ان سے انسیت تھی دیکھتے ہی ان کی طرف رغبت پیدا ہو گی۔ کیونکہ دنیا میں بھی وہ مرغوب خاطر تھے۔ جی بھر کھانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ بعض میوے ایسے بھی تھے جو جی چاہتا تھا کہ اسی کو پیٹ بھر کھالیا جائے۔ مگر اس بہتات سے میسر نہ آتے تھے۔ آج جنت میں خوش نصیبی کا یہ حال ہے کہ جو میوہ جتنا چاہو کھاؤ۔ ایسا ذائقہ دار اور خوشبودار دنیا میں کبھی نصیب تک نہ ہوا تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہی نہیں۔ اس میں کسی موسم کی قید نہیں جس موسم کا میوہ جب وقت جتنا چاہو چشم زدن میں میسر ہو گا۔

دنیا کے کھانوں کو جنتی اغذیہ سے کوئی نسبت نہیں

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ طَعَامِ الْعُرْسِ مِثْقَالٌ مِّنْ رِیْحِ الْجَنَّۃِ۔ (دیلمی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا آپ شادیوں کے کھانوں کے باب میں ارشاد فرماتے تھے کہ ان میں جنت کی خوشبو کے صرف ایک مثقال کے برابر ہے۔" مشاہدہ ہے کہ آج بھی دنیا میں ایسی تقاریب میں بہتر سے بہتر خوش ذائقہ خوشبودار خوش رنگ کھانے ہوتے ہیں لیکن جنت کے عام کھانوں کے ساتھ ان کی نسبت ایک مثقال برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس سے جنت کے کھانوں کی لطافت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مثقال جو کے (۱۰۰) دانوں کا ہم وزن ہوتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس کی تائید حضرت قتادہؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے آیۂ کریمہ قَالُوا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا کی تفسیر میں فرمایا:۔ يُشْبِهُ ثِمَارَ الدُّنْيَا غَيْرَ اَنَّ ثِمَارَ الْجَنَّةِ اَطْيَبُ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن الانباری) جنت کے میوے، دنیا کے میووں کے صرف شبیہ اور ہم شکل ہونگے لیکن جنت کے میوے دنیا کے میووں سے لطیف ترین ہوں گے۔" جنت کے کھانوں کا بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ اِلَّا الْاَسْمَاءُ۔ (مسدد، ہناد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) دنیا میں جو کچھ ہے اس کو جنت کی چیزوں کے مقابل نام کے اشتراک کے سوا کوئی نسبت ہی نہیں۔"

جنتی میووں میں کوئی سڑا گلا نہیں

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ خِيَارُهُ كُلُّهٗ يُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا لَا رَذْلَ فِيْهِ اَلَمْ تَرَ اِلٰى ثِمَارِ الدُّنْيَا كَيْفَ تَرْذِلُوْنَ بَعْضَهٗ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) جنت کے جملہ میوے اچھے ہی اچھے اور پسندیدہ تر ہوں گے کوئی دانہ ناپسندیدہ نہ ہوگا۔ کیا تم نے دنیا کے پھلوں کو نہیں دیکھا کہ ان میں بعض دانے کیسے ناپسند اور غیر مرغوب ہوتے ہیں؟"

جن کو خرید تے وقت تم ان کو علیحدہ کر دیتے ہو۔ ان کو کھانا تو در کنار لینا بلکہ ہاتھ لگانا تک پسند نہیں کرتے۔ اسی مضمون کی روایات حضرت قتادہ وغیرہ سے بھی مروی ہیں جو عبد بن حمید اور ابن جریر کی تفاسیر میں منقول ہیں۔

خالد بن یزید کا نصرانی راہب سے مکالمہ

حضرت خالد بن یزید کا بیان ہے: — بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِيْ اَرْضِ الْجَزِيْرَةِ اِذْ مَرَرْتُ بِرُهْبَانٍ وَّقِسِّيْسِيْنَ وَاَسَاقِفَةٍ فَسَلَّمْتُ فَرَدُّوا السَّلَامَ فَقُلْتُ اَيْنَ تُرِيْدُوْنَ فَقَالُوْا نُرِيْدُ رَاهِباً فِيْ هٰذَا الدَّيْرِ نَاْتِيْهِ كُلَّ عَامٍ فَيُخْبِرُنَا بِمَا يَكُوْنُ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِ لِمِثْلِهٖ مِنْ قَابِلٍ فَقُلْتُ لَاٰتِيَنَّ هٰذَا الرَّاهِبَ فَلَا نَظُرَنَّ مَا عِنْدَهٗ وَكُنْتُ مَعْنِياً بِالْكُتُبِ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى بَابِ دَيْرِهٖ فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مِمَّنْ اَنْتَ فَقُلْتُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ اَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ مِنْ عُلَمَآئِهِمْ اَمْ اَنْتَ مِنْ جُهَّالِهِمْ قُلْتُ مَا اَنَا مِنْ عُلَمَآئِهِمْ وَلَا اَنَا مِنْ جُهَّالِهِمْ قَالَ فَاِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّكُمْ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَتَاْكُلُوْنَ مِنْ طَعَامِهَا وَتَشْرَبُوْنَ مِنْ شَرَابِهَا وَلَا تَبُوْلُوْنَ وَلَا تَتَغَوَّطُوْنَ قُلْتُ نَحْنُ نَقُوْلُ ذٰلِكَ وَهُوَ كَذٰلِكَ قَالَ فَاِنَّ لَهٗ مَثَلاً فِي الدُّنْيَا فَاَخْبِرْنِيْ

مَا هُوَ قُلْتُ مَثَلُهُ لَمَثَلِ الْجَنِيْنِ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَتَاهُ يَأْتِيْهِ رِزْقُ اللّٰهِ فِيْ بَطْنِهَا وَلَا يَبُوْلُ وَلَا يَتَغَوَّطُ قَالَ فَتَرَبَّدَ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَا اَخْبَرْتَنِيْ اَنَّكَ لَسْتَ مِنْ عُلَمَآئِهِمْ قُلْتُ مَا كَذَبْتُكَ قَالَ فَاِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّكُمْ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَتَاْكُلُوْنَ مِنْ طَعَامِهَا وَتَشْرَبُوْنَ مِنْ شَرَابِهَا وَلَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْهَا شَيْئًا قُلْتُ نَحْنُ نَقُوْلُ ذٰلِكَ وَهُوَ كَذٰلِكَ قَالَ فَاِنَّ لَهٗ مَثَلًا فِي الدُّنْيَا فَاَخْبِرْنِيْ مَا هُوَ قُلْتُ مَثَلُهٗ فِي الدُّنْيَا لَمَثَلِ الْحِكْمَةِ لَوْ تَعَلَّمَ مِنْهَا الْخَلْقُ اَجْمَعُوْنَ لَمْ يَنْقُصْ ذٰلِكَ مِنْهَا شَيْئًا فَتَرَبَّدَ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَا اَخْبَرْتَنِيْ اَنَّكَ لَسْتَ مِنْ عُلَمَآئِهِمْ قُلْتُ مَا كَذَبْتُكَ مَا اَنَا مِنْ عُلَمَآئِهِمْ وَلَا مِنْ جُهَّالِهِمْ۔ (ابن عساکر) میں سرزمین جزیرہ کی سیر کر رہا تھا اتنے میں میرا گزر چند تارک الدنیا علمائے نصاریٰ اور ان کے پوپ کے پاس ہوا۔ میں نے سلام کیا انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ اس گرجا گھر میں ایک راہب ہے ہم ہر سال اس کے پاس جاتے ہیں۔ وہ آئندہ سال جو واقعات درپیش ہونے والے ہیں ہم کو ان سے باخبر کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں بھی اس کے پاس جاؤں گا۔ اور

دیکھوں گا کہ اس کا مبلغ علم کیا ہے؟ میں ان دنوں مطالعہ کتب کا دلدادہ تھا چنانچہ میں اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ دروازہ پر ہی کھڑا ہے۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب سلام دیا پھر اس نے پوچھا کہ تم کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اہل اسلام سے ہوں۔ اس نے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی امت سے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ انھیں کا امتی ہوں۔ اس نے دریافت کیا تم ان کے علماء سے ہو یا ان کے جاہلوں سے؟ میں نے جواب دیا نہ میں علماء سے ہوں اور نہ جاہلوں سے۔ اس نے کہا تم لوگوں کا ادعا ہے کہ تم لوگ جنت میں جائیں گے وہاں کے کھانے کھاتے اور وہاں کے شربت پیتے رہیں گے لیکن بول و براز نہیں کریں گے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم اس کے قائل ہیں اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا۔ کیا دنیا میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟ میں نے کہا جنین (پیٹ میں کا بچہ) جب تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اللہ سبحانہ کا رزق اسکو پہنچتا رہتا ہے۔ اور وہ اس کو کھاتا پیتا رہتا ہے لیکن بول و براز نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی اس کا چہرہ غصہ کے مارے متغیر ہو گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ میں علماء سے نہیں ہوں؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ تم لوگوں کا یہ زعم بھی ہے کہ تم جنت میں جانے کے بعد کھاتے پیتے

رہ ہو گئے اور وہاں کی کوئی چیز کم نہ ہونے پائے گی ؟ میں نے کہا ہمارا عقیدہ یہی ہے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے ؟ میں نے کہا کہ علم و حکمت اس کی مثال ہے اگر ساری دنیا اس کو حاصل کرتی رہے تو اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی۔ یہ سنکر بھی اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جھنجلا کر اس نے کہا۔ کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ میں علماء سے نہیں ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ نہ میرا شمار اپنے علماء میں ہے اور نہ جہلاء میں " مطلب یہ کہ نہ عالم متبحر ہوں اور نہ نرا جاہل۔ جو کچھ معلومات حاصل ہیں ان کا اظہار اپنے حد علم تک کر دیا ہے اور بس۔

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی ایک تفسیر یوں بھی کی گئی ہے: حضرت عکرمہ فرماتے ہیں :۔ قَوْلُهُمْ مِنْ قَبْلُ مَعْنَاهُ مِثْلُ الَّذِیْ کَانَ بِالْاَمْسِ ۔ (عبد بن حمید) اہل جنت کا یہ کہنا کہ یہ تو وہی کھانا ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا " سے ان کی مراد یہ ہوگی کہ جنت ہی میں جو غذا ہم کو کل دی گئی تھی وہی آج بھی دی جا رہی ہے " اس پر فرشتے کہیں گے کُلْ فَاِنَّ اللَّوْنَ وَاحِدٌ وَالطَّعْمَ مُخْتَلِفٌ۔ کھاؤ تو سہی۔ کھانے کا رنگ اگرچہ ایک ہی ہے مگر مزا جداگانہ ہے " حضرت مجاہد فرماتے ہیں : یَقُوْلُوْنَ مَا اَشْبَهَهٗ بِهٖ یَقُوْلُ مِنْ کُلِّ صِنْفٍ مِثْلٌ ۔ (عبد بن حمید۔ ابن جریر) اہل جنت وہاں کے میووں کو دیکھ کر

کہیں گے کہ پہلے دیئے ہوئے میووں سے یہ میوے کیا ہی مشابہ ہیں۔ اس پر ارشاد باری ہوگا کہ ہر قسم کے مماثل ہے۔ یعنی جنت میں کھانے کی ہر چیز کا مثل ہوگا" فَسُبْحَانَ مَنْ لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا نَظِيْرَ وَلَا شَبِيْهَ۔ پاک ہے وہ ذات جس کا نہ کوئی مثل ہے اور نہ نظیر اور نہ شبیہ۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ اور ان جنتیوں کو جنت میں پاکیزہ بی بیاں ملیں گی"۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر

حضرت ابو سعید خدری حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:۔ قَالَ مِنَ الْحَيْضِ وَالْغَائِطِ وَالنُّخَامَةِ وَالْبُزَاقِ (حاکم ابن مردویہ بروایت صحیحہ)۔ جنت کی بی بیاں' ایام ماہواری' بول و براز آب بینی' اور آب دہن سے پاک ہونگی۔ یعنی یہ رطوبتیں اور نجاسات و گندگی ان کو لاحق نہ ہوگی۔ دنیا کی عورتوں کو یہ سب عوارض لاحق ہونے کے باوجود ان کی طرف مردوں کا میلان جس درجہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن جو ان تمام عذرات سے پاک ہوں ان کی طرف جس قدر میلان ہوگا اس کا اندازہ کرلیا جائے۔

ازواج جنت نسوانی جسمانی عوارض سے دور

حضرت ابن عباسؓ نے اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر میں فرمایا: — مِنَ الْقَذَرِ وَالْاَذٰی۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر) جنتی بی بیاں ہر پلیدی اور ایذا پہنچانے والی چیز سے پاک ہونگی۔" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: — لَا یَحِضْنَ وَلَا یُحْدِثْنَ وَلَا یَتَنَخَّمْنَ۔ (ابن جریر) جنتی بی بیوں کو ایام ماہواری نہ آئیں گے اور نہ ان کو حدث ہوگا اور نہ آب بینی ہوگا۔" حضرت مجاہد فرماتے ہیں: — مِنَ الْحَیْضِ وَالْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْمُخَاطِ وَالنُّخَامَةِ وَالْبُزَاقِ وَالْمَنِیِّ وَالْوَلَدِ (وکیع، ہناد، عبد بن حمید، ابن جریر) جنتی بی بیاں حیض، بول و براز، آب بینی (رقیق ہو یا گاڑھا) اور آب دہن، منی اور نفاس سے پاک ہونگی۔ یعنی یہ عوارض ان کو لاحق نہ ہوں گے جن سے طبیعت متنفر رہتی اور ایک قسم کی ناگواری ہوتی ہے۔ نیز حضرت عطاء، قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ان کی روایات وکیع، ہناد، عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن جریر کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

جنتیوں کے چہرے چاند کی طرح ہوں گے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — اَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُمْ عَلٰی صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَا یَبْصُقُوْنَ فِیْهَا

وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ آنِيَتُهُمْ وَاَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَجَامِرُهُمْ مِّنَ الْاَلُوَّةِ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرٰى مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَّرَآءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ (ابن ابی شیبہ امام احمد بخاری مسلم ابن ماجہ بیہقی) سب سے پہلی جماعت جو داخل جنت ہوگی ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی درخشاں ہوں گی۔ نہ وہ جنت میں تھوکیں گے اور نہ ناک صاف کریں گے اور نہ بول و براز کریں گے۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے چاندی کی ہونگی اور ان کے عود دانوں میں اعلیٰ درجہ کا نایاب عود جلتا ہوگا۔ اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو بیبیاں ہونگی جن کی خوبصورتی اور نزاکت کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے اندر سے دکھائی دیتا ہوگا۔ وہاں باہمی اختلاف اور بغض نام کو نہ ہوگا۔ ان کے دل متحد و متفق ہوں گے۔ وہ صبح و شام اللہ سبحانہٗ کی تسبیح میں لگے رہیں گے۔"

جنتی لوگ چاند تاروں کی طرح نورانی	حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اَوَّلُ زُمْرَةٍ

تَدْخُلُ الْجَنَّةَ وُجُوهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالزُّمْرَةُ الثَّانِيَةُ اَحْسَنُ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهِنَّ مِنْ وَرَآءِ الْكُلِّ۔ (امام احمد ترمذی) سب سے پہلا زمرہ جو داخل جنت ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے اور دوسرا زمرہ بہترین چمکدار ستارے کی طرح جو آسمان میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو دو بی بیاں ہوں گی۔ ہر زوجہ نئے جوڑے پہنے ہو گی۔ جن کے اندر سے پنڈلیوں کا مغز دکھائی دیتا ہوگا۔"

ادنیٰ جنتی کا حال حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اِنَّ اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً الَّذِیْ لَهٗ ثَمَانُوْنَ اَلْفَ خَادِمٍ وَّاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَةً وَّیُنْصَبُ لَهٗ قُبَّةٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَّیَاقُوْتٍ وَّزَبَرْجَدٍ كَمَا بَیْنَ الْجَابِیَةِ وَصَنْعَآءَ (امام احمد ترمذی) یقین جانو کہ سب سے ادنیٰ درجہ کا جنتی وہ ہوگا جسکے اسی ہزار خادم اور بہتر بی بیاں ہوں گی۔ اور اس کے لئے موتیوں اور لعل سرخ اور زبرجد کا خیمہ تیار کیا جائے گا اتنا وسیع جتنی کہ جابیہ اور صنعا (یا یہ تخت یمن) کے درمیان وسعت و مسافت ہے۔"

جنت میں کوئی ان بیاہا نہ ہوگا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔ اِمَّا تَذَاکَرُوا الرِّجَالُ اَکْثَرُ فِی الْجَنَّةِ اَمِ النِّسَاءُ فَقَالَ اَلَمْ یَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا فِی الْجَنَّةِ اَحَدٌ اِلَّا لَہٗ زَوْجَتَانِ اِنَّہٗ لَیُرٰی مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ سَبْعِیْنَ حُلَّةً مَا فِیْهَا عَزَبٌ۔ (امام احمدؒ بخاری، مسلم، بیہقی) صحابہ کرام نے باہم تبادلہ خیال کیا کہ جنت میں مرد زیادہ ہوں گے یا عورتیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ارشاد نہیں فرمایا کہ جنت میں کوئی مرد ایسا نہ ہوگا کہ کم از کم اس کی دو بیبیاں نہ ہوں۔ جن کی پنڈلیوں کے اندر کا مغز ستر جوڑوں (ملبوسات) میں سے دکھائی دیتا ہوگا۔ اور جنت میں کوئی بھی ان بیاہا نہ ہوگا" مطلب یہ کہ سب کی شادیاں ہوں گی۔ اگرچہ وہ دنیا سے ان بیاہا رخصت ہوا ہو۔

ایک ایک جنتی کو سو سو کی قوت

حضرت انسؓ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا:۔

یُزَوَّجُ الْعَبْدُ فِی الْجَنَّةِ سَبْعِیْنَ زَوْجَةً فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُطِیْقُهَا قَالَ یُعْطٰی قُوَّةَ مِائَةٍ۔ (ترمذی بروایت صحیح، بزار) جنت میں ایک ایک بندے کے ساتھ ستر ستر بیبیوں کو بیاہا جائے گا۔ اس پر عرض کیا گیا

یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے سیر ہو سکیں گے؟ ارشاد ہوا ایک ایک کو سو سو کی قوت دی جائے گی۔" حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ فرماتے ہیں:۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یُزَوَّجُ الْمُؤْمِنُ فِی الْجَنَّۃِ ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ زَوْجَۃً سَبْعِیْنَ مِنْ نِسَاۤءِ الْاٰخِرَۃِ وَثِنْتَیْنِ مِنْ نِسَاۤءِ الدُّنْیَا (ابن السکن، ابن عساکر) میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک ایک مومن کے ساتھ بہتر بہتر[72] زوجات کا نکاح کرایا جائے گا۔ ان میں ستر زوجات آخرت کی عورتوں سے اور دو دنیا کی عورتوں سے ہوں گی۔"

ازواج جنت کی باہمی محبت

حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ مَا مِنْ اَحَدٍ یُّدْخِلُہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ اِلَّا زَوَّجَہٗ ثِنْتَیْنِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِنْ مِیْرَاثٍ مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَا مِنْھُنَّ وَاحِدَۃٌ اِلَّا وَلَھَا قُبُلٌ شَھِیٌّ وَلَہٗ ذَکَرٌ لَّا یَنْثَنِیْ۔ (ابن ماجہ، ابن عدی، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالی جن کو جنت میں داخل فرمائے گا ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کی دو بیبیاں بڑی آنکھوں والی حوروں سے اور ستر اہل جنت کی میراث سے بطور وراثت نہ ملی ہوں

پھر ان میں سے ہر ایک اپنا تن من دوسرے پر فدا کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہیگا۔"

اہل جنت کی وراثت

میراث اور وراثت اہل جنت سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جملہ بنی آدم کی تعداد کے لحاظ سے جنتیں تیار فرمائی ہیں تاکہ تمام اولاد آدم ایمان اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال ہوکر اپنی اپنی جنت اور نعیم جنت سے متمتع ہوسکیں۔ مگر ان میں سے جو لوگ شیطان کا اتباع کرکے دوزخ میں جا پڑیں گے ان کا حصہ بقیہ اہل جنت کو اللہ سبحانہ کے فضل وکرم سے مومنین صالحین کو علاوہ ان کے مختصہ حصہ کے بھی دے دیا جائے گا۔ اس اعتبار سے جبقدر ازواج ان بدنصیب افراد کے لئے مہیا کی گئی تھیں وہ بھی مومنین صالحین کو علاوہ ان کی ازواج کے مل جائینگی۔ دنیا کی عورتوں سے دو تو آخرت کی عورتوں سے ستر بیبیاں ایک ایک جنتی کو ملیں گی جن میں بعض حور عین سے ہوں گی۔ دیگر احادیث شریفہ میں اس کی صراحت آئی ہے۔

ادنیٰ جنتی کی شان

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً مَنْ لَهُ سَبْعُ دَرَجَاتٍ وَهُوَ عَلَى السَّادِسَةِ وَفَوْقَهُ السَّابِعَةُ وَإِنَّ لَهُ لَثَلَاثَ مِائَةِ خَادِمٍ وَيُغْدَى عَلَيْهِ كُلَّ يَوْمٍ وَيُرَاحُ بِثَلَاثِمِائَةِ صَحْفَةٍ

مِنْ ذَهَبٍ فِي كُلِّ صَحْفَةٍ لَوْنٌ لَيْسَ فِي الْأُخْرَىٰ وَإِنَّهُ لَيَلَذُّ أَوَّلَهُ كَمَا يَلَذُّ آخِرَهُ وَإِنَّهُ لَيَقُولُ يَا رَبِّ لَوْ أَذِنْتَ لِي لَأَطْعَمْتُ أَهْلَ الْجَنَّةِ وَسَقَيْتُهُمْ لَمْ يَنْقُصْ مِمَّا عِنْدِي شَيْءٌ وَإِنَّ لَهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ لَاثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً وَإِنَّ الْوَاحِدَةَ مِنْهُنَّ لَتَأْخُذُ مَقْعَدَهَا قَدْرَ مِيلٍ مِنَ الْأَرْضِ۔ (امام احمد) یقین جانو کہ ادنیٰ جنتی کا قصر ہفت منزلہ ہوگا اور وہ چھٹے درجہ میں سکونت پذیر ہوگا جس کے اوپر ایک اور درجہ ساتواں رہیگا۔ اور اس کے تین سو خادم ہوں گے اور ہر روز صبح وشام تین سو طلائی طبق پیش ہوتے رہیں گے۔ ہر طبق میں ایک جدا قسم کی نعمتیں ہونگی اور وہ پہلے طبق سے جیسا لذت اندوز ہوگا۔ آخری طبق سے بھی اسی طرح لذت اندوز ہوگا۔ اور وہ ان لذتوں سے متمتع ہوکر عرض کرے گا۔ پروردگار من! اگر مجھے اجازت مرحمت ہو تو جملہ اہل جنت کو اس میں سے کھلاتا پلاتا رہوں گا۔ پھر بھی مجھے جو کچھ نصیب ہو رہا ہے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور حورعین سے بہتر بی بیاں اسکے نکاح میں دیجائینگی اور ان میں سے ایک ایک کے بیٹھنے کے لئے اتنی جگہ دیجائیگی جو زمین کے ایک میل کے برابر ہوگی۔"

حوروں کا گانا

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی فرماتے ہیں کہ حضور رسول برحق صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یُزَوَّجُ کُلُّ رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ بِاَرْبَعَۃِ آلَافِ بِکْرٍ وَثَمَانِیَۃِ آلَافِ اَیِّمٍ وَمِائَۃِ حَوْرَاءَ فَیَجْتَمِعْنَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ فَیَقُلْنَ بِاَصْوَاتٍ حِسَانٍ لَمْ یَسْمَعِ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِھِنَّ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِیْدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ وَنَحْنُ الرَّاضِیَاتُ فَلَا نَسْخَطُ وَنَحْنُ الْمُقِیْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ طُوْبٰی لِمَنْ کَانَ لَنَا وَکُنَّا لَہٗ۔

(بیہقی) اہل جنت میں سے ایک ایک شخص کا ازدواج چار سو باکرہ اور آٹھ سو بیوگان اور ایک سو حوروں سے عمل میں آئے گا۔ یہ سب ہر ہفتہ میں ایک دن جمع ہو کر ایسی خوش آوازی کے ساتھ یہ نغمہ گایا کریں گی کہ ایسی خوش آوازی کو خلائق نے کبھی سنا نہ ہوگا۔ وہ نغمہ یہ ہوگا۔ ہم ہمیشہ ہمیشہ ساتھ دینے والیاں ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہونگی ہم ایسی نرم و نازک اندام ہیں جو کبھی ناگواری کو پاس آنے نہ دیں گی اور ہم ہر حال میں خوشنود و رضامند رہنے والیاں ہیں جو کبھی غصہ نہ دلائیں گی۔ اور ہم (اپنے شوہر کے پاس قیام کرنے والیاں ہیں جو کبھی (اسکو چھوڑ کر) کہیں سفر اختیار نہیں کرینگی مبارک ہے وہ جس کے لئے ہم پیدا کی گئی ہیں اور وہ بھی جو ہمارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔"

دنیا کی بے حقیقتی | حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:۔ غَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ رَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَلَوْاَنَّ امْرَأَۃً مِّنْ نِّسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ مَا بَیْنَھُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَیْنَھُمَا رِیْحًا وَلَنَصِیْفُھَا عَلٰی رَأْسِھَا یَعْنِی الْخِمَارَ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (امام احمد بخاری) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی راہ میں صبح دم یا شام کو چل نکلنا، دنیا وما فیہا سے کہیں بہتر ہے۔ اور جنت میں کسی کو ایک کمان کی مقدار جگہ ملنا بھی دنیا وما فیہا سے کہیں بہتر ہے۔ اور اگر جنتی عورتوں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کی درمیانی فضا روشن اور معطر ہو جائے اور اس کی آدھی اوڑھنی بھی دنیا وما فیہا سے کہیں بہتر ہو گی۔" امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوْ اطَّلَعَتِ امْرَأَۃٌ مِّنْ نِّسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اِلَی الْاَرْضِ لَمَلَأَتِ الْاَرْضَ رِیْحَ مِسْکٍ۔ (امام احمدؒ) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت اگر زمین کی طرف جھانک لے تو ساری زمین مشک کی خوشبو سے معطر ہو جائے۔"

جنتی عورتوں کی نورانیت

کعب احبار کا بیان ہے: لَوْ اَنَّ امْرَأَۃً مِّنْ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّۃِ بَدَا مِعْصَمُهَا لَذَهَبَ بِضَوْءِ الشَّمْسِ (ابن ابی شیبہ، ہناد بن سری) اگر کسی جنتی عورت کی کلائی بھی ظاہر ہو جائے تو آفتاب کی ساری روشنی ماند پڑ جائے۔" حضرت ضحاک فرماتے ہیں: لَوْ اَنَّ امْرَأَۃً مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّۃِ اَطْلَعَتْ كَفَّهَا لَاَضَآءَ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (ابن ابی شیبہ) اگر کسی جنتی عورت کی ہتھیلی بھی دکھائی دے تو آسمان و زمین کی درمیانی فضا روشن اور منور ہو جائے۔" ان روایات سے جنتی عورتوں کے حسن و جمال اور صفائی و پاکیزگی اور نورانیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک یہودی کا سوال

حافظ حدیث ابن ابی حاتم ناقل ہیں: جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَآ اَبَا الْقَاسِمِ تَزْعُمُ اَنَّ اَهْلَ الْجَنَّۃِ يَاْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ لَيُؤْتٰى قُوَّۃَ مِائَۃِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ فِي الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالشَّهْوَۃِ قَالَ فَاِنَّ الَّذِيْ يَاْكُلُ وَيَشْرَبُ يَكُوْنُ لَهُ الْحَاجَۃُ وَالْجَنَّۃُ طَاهِرَۃٌ لَيْسَ فِيْهَا قَذَرٌ وَّلَا اَذًى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتُهُمْ عَرَقٌ يَّفِيْضُ

مِثْلَ رِیْحِ مِسْكٍ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ ضَمُرَ لَهٗ بَطْنُهٗ (ابن ابی شیبہ، امام احمد، ہناد بن سری، نسائی، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) اہل کتاب میں سے ایک یہودی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ ابوالقاسم! آپ کا دعویٰ ہے کہ اہل جنت کھاتے پیتے رہیں گے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یقیناً ان میں سے ایک ایک شخص کو تم جیسے سو آدمیوں کی قوت کھانے پینے جماع اور اس کی خواہش کی دیجائے گی۔ اس نے عرض کیا پھر تو جو شخص کھاتا پیتا ہے اس کو حاجت (بول و براز) داعی ہوگی۔ اور جنت تو پاک مقام ہے جہاں کسی قسم کی پلیدی اور اذیت نہ ہوگی۔ اس پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کی حاجت پسینہ ہوگا جس سے مشک کی خوشبو ہوگی۔ جب اس کو پسینہ آجائے گا تو اس کا پیٹ لگ جائیگا۔"

جنتیوں کا نکاح حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں:۔ إِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَتَنَاكَحُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَقَالَ دِحَاماً دِحَاماً لَا مَنِيَّ وَلَا مَنِيَّةَ۔ (ابویعلیٰ، طبرانی، ابن عدی، بیہقی) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا جنتی لوگ نکاح بھی کرتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا مسلسل بے کھٹکے (نکاح کرتے جائیں گے) وہاں

آب حیات نہ مرد کو ہو گا اور نہ عورت کو۔ اسی مضمون کی اور ایک حدیث شریف حضرت ابو امامہ باہلیؓ ہی سے ابن ابی حاتم اور طبرانی نے روایت کی ہے۔" حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ نَصِلُ إِلَى نِسَائِنَا فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَصِلُ فِي الْيَوْمِ إِلَى مِائَةِ عَذْرَاءَ۔ (بزار، طبرانی، خطیب بغدادی) عرض کیا گیا کہ اے خدا کے پیارے رسول! کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں سے مل بھی سکیں گے؟ اس پر ارشاد مبارک ہوا کہ ایک ایک شخص ہر روز سو سو کنواری باکرہ عورتوں سے ملتا رہے گا۔" حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس کو ابو یعلیٰ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

جنتیوں کی مردمی حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:۔ فِي الْجَنَّةِ جِمَاعٌ مَا شِئْتَ وَلَا وَلَدَ قَالَ فَيَلْتَفِتُ فَيَنْظُرُ النَّظْرَةَ فَتَنْشَأُ لَهُ الشَّهْوَةُ ثُمَّ يَنْظُرُ فَتَنْشَأُ لَهُ شَهْوَةٌ أُخْرَى۔ (وکیع، عبدالرزاق، ہناد، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید) جنت میں جماع ہو گا جب تک تم چاہو۔ اولاد نہ ہو گی۔ یہ بھی فرمایا کہ جنتی کسی طرف نظر التفات کرے گا تو اس کے نفس میں فوراً شہوت پیدا ہو گی۔ پھر (اس سے فارغ ہو کر دوسری طرف) دیکھیگا تو پھر دوسری شہوت پیدا ہو جائے گی۔"

جنتی عورتیں ہمیشہ باکرہ رہیں گی حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

روایت فرماتے ہیں:۔ اِنَّہٗ سُئِلَ اَنَطَأُ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ نَعَمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ دَحْمًا دَحْمًا فَاِذَا قَامَ عَنْہَا رَجَعَتْ مُطَہَّرَۃً بِکْرًا۔ (ضیاء مقدسی) آپ سے سوال کیا گیا ہم جنت میں عورتوں سے لطف اندوز ہوتے رہینگے؟ ارشاد مبارک ہوا ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے کھٹکے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ پھر جب وہ اس عورت سے فارغ ہوگا تو وہ پہلے کی طرح پاک صاف باکرہ ہو جائے گی۔" حضرت ابوسعید خدری رضی فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اَھْلُ الْجَنَّۃِ اِذَا جَامَعُوْا نِسَآءَھُمْ عَادُوْا اَبْکَارًا (بزار، طبرانی، ابوالشیخ) جنتی لوگ جب اپنی اپنی عورتوں سے لطف اندوز ہونگے تو عورتیں حسب سابق فوراً باکرہ ہو جائیں گی۔" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی فرماتے ہیں:۔ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَرَادَ زَوْجَتَہٗ وَجَدَھَا بِکْرًا (عبداللہ بن احمد، ابن المنذر) مومن جب اپنی بی بی کے پاس آنے کا ارادہ کرے گا تو اُس کو دوشیزہ پائے گا۔"

موذی عورت سے حورِ عین کا خطاب

حضرت معاذ بن جبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا تُؤْذِیْ امْرَاَۃٌ زَوْجَھَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ قَاتَلَکِ اللّٰہُ فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَکِ دَخِیْلٌ یُوْشِکُ اَنْ یُّفَارِقَکِ اِلَیْنَا (امام احمد ترمذی بروایت حسن

ابن ماجہ، ابن ابی داود) دنیا میں کوئی عورت اپنے شوہر کو جب کبھی کچھ دکھ دیتی ہے تو حور عین میں سے اسکی جو زوجہ ہے کہتی ہے کہ خدا تجھے ہلاک کرے وہ تو صرف تیرے پاس چند روزہ مہمان ہے وہ دن دور نہیں کہ وہ تجھ سے جدا ہو کر ہم سے آملے گا"

خالدون کی تفسیر

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ اور وہ اہل جنت اس میں ہمیشہ رہیں گے" یعنی اہل جنت جب داخل جنت ہونگے تو وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔ اُن کو کبھی موت نہ آئیگی اور نہ اُن کو جنت سے نکلنے کیلئے کہیگا۔ نیز اسمیں جو نعمتیں مہیا کی گئی ہیں وہ کبھی ختم نہ ہونگی۔ وہاں کے انہار و اشجار اور اُن سے جو میوے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ہمیشہ قائم و برقرار رہینگے۔ غرض جنت ایسا پائیدار مقام ہے کہ اسمیں کسی قسم کا تغیر و زوال نہ ہوگا۔ اہل جنت اس میں ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہینگے۔

آخرت کا عذاب و ثواب کبھی منقطع نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اَیْ خَالِدُونَ اَبَدًا يُخْبِرُهُمْ اَنَّ الثَّوَابَ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ مُقِيمٌ عَلٰى اَهْلِهٖ لَا انْقِطَاعَ لَهٗ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم)

ارشاد باری تعالیٰ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے بارے میں ہوا ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساکنین اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے ان کو جو دیجارہی ہے کہ بدلہ اور جزا خیر کی ہو یا شر کی جو ان کو دیجارہی ہے وہ ان کے ساکنین پر ہمیشہ قائم و برقرار رہیگی اس کے منقطع ہونے کی کبھی نوبت ہی نہ آئیگی۔" امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد مبارک فرمایا يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْمُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ يَا اَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ كُلٌّ خَالِدٌ فِيْمَا هُوَ فِيْهِ۔ (عبد بن حمید بخاری مسلم، ابن مرویہ) اہل جنت جنت میں چلے جائینگے اور دوزخ والے دوزخ میں جا گرینگے۔ پھر ان میں ایک منادی کھڑا ہو کر اعلان عام کرے گا کہ اے دوزخ والو! تمہارے لیئے کبھی موت نہیں۔ اور اے اہلِ جنت! تمہارے لیئے بھی کبھی موت نہیں۔ ہر فریق جو جس جگہ جس حال میں ہے وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ يُقَالُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ وَلَا مَوْتَ وَيُقَالُ لِاَهْلِ النَّارِ خُلُوْدٌ وَلَا مَوْتَ (بخاری) جنتیوں سے کہا جائے گا کہ

یہاں ہمیشہ رہنا ہے یہاں موت کا نام نہیں ۔ اور دوزخیوں سے بھی کہا جائیگا کہ ہمیشہ رہنا ہے یہاں بھی موت کا نام نہیں "

موت کو ذبح کردیا جائیگا

حضرت ابوہریرہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یُؤْتیٰ بِالْمَوْتِ فِیْ هَیْئَةِ کَبْشٍ اَمْلَحَ فَیُوْقَفُ عَلَی الصِّرَاطِ فَیُقَالُ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَیَطَّلِعُوْنَ خَائِفِیْنَ وَجِلِیْنَ مَخَافَةَ اَنْ یُّخْرَجُوْا مِمَّا هُمْ فِیْهِ فَیُقَالُ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ فَیُقَالُ یَا اَهْلَ النَّارِ فَیَطَّلِعُوْنَ مُسْتَبْشِرِیْنَ فَرِحِیْنَ اَنْ یُّخْرَجُوْا مِمَّا هُمْ فِیْهِ فَیُقَالُ اَتَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ فَیُؤْمَرُ بِهٖ فَیُذْبَحُ عَلَی الصِّرَاطِ فَیُقَالُ لِلْفَرِیْقَیْنِ خُلُوْدٌ فِیْمَا تَجِدُوْنَ لَا مَوْتَ فِیْهَا اَبَدًا (عبد بن حمید، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) موت کو چکنے فربہ دنبے کی شکل میں لاکر پل صراط پر کھڑا کیا جائیگا۔ پھر کہا جائیگا اے جنت والو! (یہ سنتے ہی وہ) سر اٹھا کر دیکھنا شروع کرینگے خائف و ترساں ہوکر اس اندیشہ سے کہ وہ جس لطف میں ہیں کیا اس سے نکالے تو نہ جائینگے۔ پھر ان سے کہا جائے گا۔ کیا اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے، ہاں یہ موت ہے۔ پھر اہل دوزخ سے خطاب ہوگا۔ اے دوزخیو! وہ بھی سر اٹھا کر دیکھنا شروع کرینگے خوش و خرم ہوکر کہ وہ جس عذاب

میں گرفتار ہیں شاید اس سے نکالے جائینگے۔ پھر اس دنبے کی طرف اشارہ کرکے کہا جائے گا کیا تم اسکو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے۔ پھر حکم الٰہی سے اسکو دپل، صراط پر ذبح کردیا جائیگا۔ پھر ہر دو فریق کے آگے اعلان کیا جائے گا کہ تم لوگ جس حالت میں خود کو پاتے ہو اسی حال میں ہمیشہ رہو گے یہاں پھر کبھی موت نہ آئیگی"

دار آخرت کا قیام دائمی ہے

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں:۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَہٗ اِلَی الْیَمَنِ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَیْھِمْ قَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْکُمْ اَنَّ الْمَرَدَّ اِلَی اللّٰہِ اِلٰی جَنَّۃٍ اَوْ نَارٍ خُلُوْدٌ بِلَا مَوْتٍ وَاِقَامَۃٌ بِلَا ظَعْنٍ فِیْ اَجْسَادٍ لَا تَمُوْتُ (طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ)

حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم مقرر کرکے روانہ فرمایا۔ یہ جب ان کے ہاں پہنچے تو انھوں نے یہ خطبہ دیا۔ لوگو! میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرستادہ ہوں۔ سب کو اللہ سبحانہ کی طرف لوٹ جانا ہے یا تو جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں موت نہیں ہے۔ اور وہاں مقیم رہنا ہے سفر کوچ نہیں ہے۔ ایسے اجسام ہیں جو کبھی نہیں مرینگے"

آخرت کی ایک تمثیل حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لَوْ قِيْلَ لِاَهْلِ النَّارِ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ فِى النَّارِ عَدَدَ كُلِّ حَصَاةٍ فِى الدُّنْيَا لَفَرِحُوْا بِهَا وَلَوْ قِيْلَ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ عَدَدَ كُلِّ حَصَاةٍ لَحَزِنُوْا وَلٰكِنْ جُعِلَ لَهُمُ الْاَبَدُ۔ (طبرانی ابن مردویہ، ابو نعیم) اگر دوزخیوں سے کہا جائے کہ تم کو دنیا کی ہر کنکری کے بدلے ایک ایک سال دوزخ میں پڑے رہنا پڑے گا تو وہ اس سے خوش ہو جائیں گے اور اگر جنتیوں سے کہا جائے کہ تم کو جنت میں دنیا کی ایک ایک کنکری کے برابر ایک ایک سال یہاں ٹھہرنا ہوگا تو وہ اس پر غمگین ہو جائیں گے لیکن فریقین کو اپنی اپنی جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا 2-26
فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ
وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا
يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ
الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ 2-27
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَٰسِرُونَ ۝

بے شک اللہ کو عار نہیں کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھکر بس وہ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ حق ہے انکے رب کے پاس سے آیا ہے۔ رہے کافر وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثال سے اللہ کا کیا مقصود ہے اللہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور وہ گمراہ اُن ہی کو کرتا ہے جو بے حکم ہیں جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کے پکا ہونیکے بعد، اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جسکو جوڑنے کا حکم دیا، اور فساد پھیلاتے ہیں زمین میں، وہی گھاٹے میں ہیں۔"

کلام پاک سے کفار کا استہزا

کفار و منکرین کو اس بات کا بھی انکار تھا کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ سابق میں اس کا جواب دیا گیا کہ اگر تم کو قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے میں کسی قسم کا تردد یا شک ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت چھوٹی بڑی بنا لاؤ۔ جب یہ ان سے نہ ہو سکا اور تا قیامت نہیں ہو سکتا تو کفار یوں کہنے لگے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ لہذا اسکے کلام میں بھی ارفع و اعلیٰ چیزوں کا بیان ہونا چاہیئے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن جسکو کلام اللہ کہا جاتا ہے

اس میں ادنی اور خسیس چیزوں کا بیان بھی موجود ہے یہاں تک کہ مکھی اور مکڑی کا
ذکر تک فرمایا گیا ہے۔ جس کلام میں مکھی اور مکڑی وغیرہ ادنی اور خسیس چیزوں
کا ذکر ہو وہ کلام الٰہی کیوں ہونے چلا؟ چنانچہ مکھی کے باب میں آیا ہے:۔۔۔۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن
دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن
يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ
وَالْمَطْلُوبُ لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسکو کان دھر کر سنو۔ اللہ کو چھوڑ
کر تم جن بتوں کو پکار رہے ہو وہ کبھی ایک مکھی بھی نہ بنا سکیں اگرچہ سب
مل کر سر جوڑ کر بنانا چاہیں۔ اور اگر مکھی انکی کوئی چیز چھین کر لیجائے تو سب
مل کر اس سے چھڑا نہ سکیں طالب بھی ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف" اور
مکڑی کا بیان اس طرح آیا ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ
أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ
الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنا کارساز
بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے گھر بنا رکھا ہے۔ حالانکہ
تمام گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔ کاش یہ لوگ اس حقیقت

کو جانتے ہیں"

شانِ نزول چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:- اِنَّ اللّٰہَ ذَکَرَ آلِهَةَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ وَذَكَرَ كَيْدَ الْاٰلِهَةِ فَجَعَلَهٗ كَبَيْتِ الْعَنْكَبُوْتِ فَقَالُوْا اَرَاَيْتَ حَيْثُ ذَكَرَ اللّٰهُ الذُّبَابَ وَالْعَنْكَبُوْتَ فِيْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَيَّ شَيْءٍ كَانَ يَصْنَعُ بِهٰذَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا الْاٰيَة (عبد الغنی تقی واحدی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودانِ باطل کے ذکر کے سلسلہ میں یہ فرمایا کہ اگر مکھی بھی انکی کوئی چیز چھین کر لیجائے تو یہ اس سے چھڑا نہ سکیں گے۔ اور اُن کے معبودانِ باطل کی چال بازیوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ وہ مکڑی کے گھر کی طرح ہیں جو تمام گھروں سے کمزور تر گھر ہے۔ مشرکین نے کہا آپ کا کیا خیال ہے جہاں اللہ پاک نے مکھی اور مکڑی جیسی حقیر و خسیس چیزوں کا ذکر محمد پر نازل کیئے ہوئے قرآن کے اندر فرمایا ہے ان چیزوں سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ اسکے جواب میں حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں کہ اللہ سبحانہ کو اس سے عار نہیں کہ مچھر کی مثال بیان فرمائے یا اس سے بڑی کسی چیز کی" اسی مضمون کی روایت حضرت قتادہ، حسن بصری، سے بھی مروی ہیں، جنکو عبد الرزاق

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے اپنی کتب احادیث شریفہ میں تحریر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ کا بیان مقصود نہیں بلکہ انکا ذکر بطور تمثیل آیا ہے۔ اگر بیان عظیم الحجۃ چیزوں کا ہو رہا ہے تو مثال بھی بڑی چیزوں کی دی جائیگی اور اگر کسی حقیر و خسیس چیزوں کا ہو رہا ہے تو مثال بھی حقیر و خسیس کی دیجائیگی۔ دیکھنا یہ ہے کہ مثال اور ممثل لہٗ میں مناسبت ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: لَمْ یُرِدِ الْبَعُوْضَۃَ اِنَّمَا اَرَادَ الْمَثَلَ۔ یہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مچھر کے بیان کا ارادہ نہیں فرمایا صرف مثال بیان کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔"

ان اللہ لا یستحیی کی تفسیر

کفار و مشرکین بت پرستی میں لگے ہوئے تھے تو ان کی فہمایش کے لیئے اللہ سبحانہ نے بتوں کی بے بسی کا حال اس طرح بیان فرمایا کہ تم جن چیزوں کو خدا جان کر ان کی پرستش کر رہے ہو ان کا یہ حال ہے کہ وہ تمام اکٹھے ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور اگر مکھی انکی کوئی چیز اڑا لے جائے تو اپنی چیز اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ پھر مکھی جو کچھ لے جاتی ہے وہ اتنی حقیر و ذلیل ہے کہ کسی کو نہ تو نظر آتی ہے اور نہ کسی کے ہاتھ لگ سکتی ہے ایسی حقیر و ذلیل شے پر بتوں کو قابو نہیں تو ان کی ذلت و حقارت کا اندازہ اسی

جا سکتا ہے۔ ایسے ذلیل و حقیر بت خدا کے برابر کس طرح قرار پا سکتے ہیں اور کیونکر ان کی عبادت کی جا سکتی ہے؟ محل غور و تامل ہے۔ اسی طرح کفار کا خیال تھا کہ یہ بت اللہ سبحانہ کے پاس ان کی پرستش کرنے والوں کی سفارش کریں گے اور ان کو اللہ کا مقرب بنائیں گے۔ ان کا یہ خیال تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ ایسا کمزور عقیدہ وقت پر ان کے کیا کام آئے گا؟ دنیا ہی میں وہ کسی کے نفع و ضرر کے مالک نہ تھے تو آخرت میں وہ کیا نفع دے سکیں گے اور وہاں کی کونسی مصیبت کو ٹال سکیں گے۔ کفار کو اس کا جواب تو بن نہ پڑا۔ اُلٹا اعتراض کرنے لگے کہ مکھی اور مکڑی جیسی حقیر و ذلیل چیزوں کا نام کس طرح لیا گیا۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مکھی اور مکڑی تو بڑی چیزیں ہیں۔ موقع اور محل کے اعتبار سے مچھر کا نام لینے میں بھی کوئی عار نہیں جو مکھی اور مکڑی سے بھی بہت چھوٹا اور حقیر و ذلیل تر ہے۔ مچھر ہو یا اس سے بڑی کوئی چیز مثلاً مکھی اور مکڑی ان کا نام تمثیلاً لیا گیا ہے۔ خاص ان کا بیان مقصود نہیں۔ ان تمام باتوں کو سمجھنے کے لیئے علم و عقل کی ضرورت ہے۔ اور کفار کا یہ حال ہے کہ نہ تو وہ عقل رکھتے ہیں اور نہ علم و ہنر سے کوئی سروکار ہے وہ نرے بے وقوف اور جاہل محض ہیں۔

اہل ایمان کی شان چنانچہ آگے ارشاد ہو رہا ہے :۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ بہرحال وہ لوگ جو یقین لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم، اللہ کا سچا کلام ہے جو انکے پروردگار کے پاس سے آیا ہے ۔ یعنی جیسا جیسا قرآن کریم کا ایک ایک سورہ، یا رکوع، یا آیت یا حکم، نازل ہوتا جاتا ہے ۔ اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی ہوتی جاتی اور ان کے سابقہ یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے ان کا دل شگفتہ اور نور معرفت سے منور ہوتا جاتا ہے اور علم و عرفان کا ایک نیا باب ان پر کھلتا رہتا ہے ۔ ان کی مسرت و شادمانی بڑھتی جاتی ہے ۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ لَا تَغْتَرُّوْا بِاللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَوْ كَانَ مُغْفِلًا شَیْئًا لَاَغْفَلَ الْبَعُوْضَةَ وَالذَّرَّةَ وَالْخَرْدَلَةَ (ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، دیلمی) لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف سے دھوکہ میں نہ آنا ۔ (ہر چیز چھوٹی بڑی اسکے مشاہدے میں ہے) فرض کرو کہ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی چھوٹی سی چھوٹی چیز سے) غفلت برتتا تو مچھر اور ذرہ اور رائی کے دانے سے غفلت برتی ہوتی ۔ مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں مچھر کا بھی بیان فرمایا اور ذرہ کا ذکر بھی فرمایا

اور رائی کے دانے تک کو نہیں چھوڑا۔ مچھر کے بارے میں تو یہی آیۂ کریمہ سامنے ہے۔ اور ذرہ کا بیان سورہ زلزال میں گزرا۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی نامۂ اعمال میں اسکو لکھا ہوا دکھایا جائیگا۔ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی اس کو بھی وہ اپنے اعمال نامے میں لکھا دیکھ لیگا۔" اور خردلہ (یعنی رائی کے دانے کا ذکر) سورۂ لقمان میں موجود ہے:۔ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ۔ اے جان پدر! اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر بھی کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں ہو تو اللہ سبحانہ اس کو بھی نکال لائیگا۔" یعنی وہ چھپ نہ سکیگا اللہ پاک جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی باخبر ہے تو بڑی چیزوں کا ذکر ہی کیا؟ بہر حال اہل ایمان کی یہ شان ہے۔

کی تفسیر ماذا اراد اللہ	وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۔ اور رہے کافر، وہ تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے

کیا ارادہ فرمایا؟" کافروں کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں اور نہ وہ قرآن کریم کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کلام باور کرتے ہیں۔ جب وہ کوئی آیت کریمہ سنتے ہیں تو یہی کہا کرتے ہیں کہ اللہ کا مقصد اس تمثیل سے کیا ہے؟ مومن اور کافر کا فرق یہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی تمثیل دونوں کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ مومن تو اس پر سر دھننے اور وجد کرنے لگا کہ کیسی مناسب اور موزوں مثال ہے جو ممثل لہٗ پر پوری پوری منطبق ہو رہی ہے اس سے بہتر تو کیا اس کے مماثل بھی کوئی اور واضح تمثیل نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف ہے کہ وہ مثال کی خوبی اپنے جہل اور بے عقلی کے باعث دریافت نہ کر سکا۔ البتہ اپنے کفر و عناد کی وجہ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اس تمثیل کا مقصد کیا ہے؟ جبھی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مومن کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے پروردگار نے جو تمثیل دی ہے وہ حقیقت واقعہ اور نفس الامری بات ہے اور کافر کے باب میں ارشاد ہو رہا ہے فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا وہ کہتے ہیں اس مثال سے اللہ کا مقصد کیا ہے یَعْلَمُوْنَ اور یَقُوْلُوْنَ میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے ارشادِ الٰہی ہو رہا ہے:

یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا کی تفسیر

یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا اس ایک قرآنی تمثیل ہی کے ذریعہ اللہ سبحانہ بہتوں کو گمراہ اور بہتیرے لوگوں کی ہدایت کا سامان فرمانا جاتا ہے۔ اس سے گمراہوں کی گمراہی میں اور ہدایت یافتہ اصحاب کی ہدایت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا

باراں کہ درلطافتِ طبعش خلاف نیست ، درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

حضرت مجاہدؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ يُؤْمِنُ بِهِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَيَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ بِهٖ وَيَعْرِفُهُ الْفَاسِقُوْنَ فَيَكْفُرُوْنَ بِهٖ (عبد بن حمید، ابن جریر) اہل ایمان تو اس پر ایمان لاتے اور جانتے ہیں کہ یہی حق ہے جو ان کے پروردگار کے پاس سے آیا ہے۔ اللہ ان کو راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے اور کافر بھی اسکو پہچانتے ہوئے اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

قرآن کریم مومنین کے لئے ہدایت اور کفار کے لئے ضلالت ہے

یاد رہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ جو راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں وہ اہل ایمان نہیں ہوسکتے بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حکم الٰہی سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ گمراہی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہورہا ہے:۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ اور نہیں بھٹکتے اس سے مگر وہی جو طاعت الٰہی سے نکلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اسکی تفسیر میں مروی ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا يَعْنِي الْمُنَافِقِيْنَ
وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا يَعْنِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ قَالَ هُمُ الْمُنَافِقُوْنَ
وَفِيْ قَوْلِهٖ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ قَالَ هُوَ مَا عَهِدَ اِلَيْهِمْ فَاَقَرُّوْا بِهٖ ثُمَّ كَفَرُوْا فَنَقَضُوْهُ
(ابن جریر) گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو یعنی منافقین کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے
بہتروں کو یعنی مومنین کو۔ اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر فاسقوں کو۔ حضرت ابن مسعودؓ
نے فرمایا کہ وہ منافقین ہی ہیں۔ اور الذین ینقضون عھد اللہ کی تفسیر میں فرمایا اس سے
وہی عہد مراد ہے جو ان سے کیا گیا تو انھوں نے اس کا اقرار کیا پھر منکر ہو گئے اور اس عہد کو توڑ دیا
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں۔ اَلْحَرُوْرِيَّةُ هُمُ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔ قَالَ اِيَّاكُمْ وَنَقْضَ هٰذَا الْمِيْثَاقِ وَكَانَ يُسَمِّيْهِمُ الْفَاسِقِيْنَ۔
(بخاری، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) "حروریہ" ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد کو اسکے پختہ ہونیکے
بعد توڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ عہد شکنی سے بچتے رہو۔ عہد شکنی کرنے والوں کو وہ فاسقین
کے نام سے یاد کرتے تھے۔ حضرت قتادہ، وَيَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ کی تفسیر میں
فرماتے ہیں۔ اِيَّاكُمْ وَنَقْضَ هٰذَا الْمِيْثَاقِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَرِهَ نَقْضَهٗ وَاَوْعَدَ فِيْهِ
وَقَدَّمَ فِيْهِ فِيْ اٰيٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ تَقْدِمَةً وَنَصِيْحَةً وَمَوْعِظَةً وَحُجَّةً مَا نَعْلَمُ اللّٰهَ
اَوْعَدَ فِيْ ذَنْبٍ مَا اَوْعَدَ فِيْ نَقْضِ هٰذَا الْمِيْثَاقِ فَمَنْ اَعْطٰى عَهْدَ اللّٰهِ وَمِيْثَاقَهٗ مِنْ ثَمَرَةِ قَلْبِهٖ فَلْيُوْفِ بِهٖ

(عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ) اس عہد کے توڑ ڈالنے سے بچتے رہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے عہد شکنی کو بدترین جرم قرار دیا ہے اور قبل از قبل بطور نصیحت اور وعظ اور حجت کے قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں اتنی وعیدیں سنائی ہیں جو دوسرے گناہ کے باب میں اتنی وعیدیں نہیں سنائیں لہذا جس کسی نے اللہ سبحانہ کا واسطہ دے کر کوئی عہد و میثاق کیا ہو تو اسکو چاہیئے کہ لازمی طور پر پورا کرے۔"

عہد کی پابندی کی اہمیت

حضرت انس رضی فرماتے ہیں: ۔ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ

(امام احمد، بزار، ابن حبان، طبرانی، بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اسمیں منجملہ اور امور کے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ یاد رکھو اس کا ایمان کامل نہیں جسمیں امانت داری نہ ہو اور نہ اس کا دین کامل ہے جو اپنے دیئے ہوئے عہد کا پابند نہ ہو۔" حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابو امامہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور رسول انور و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ۔ حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔

(تاریخ بخاری، حاکم بروایت صحیحہ) عہد پر اچھی طرح قائم رہنا بھی ایمان میں داخل ہے۔"

صلہ رحمی کا حکم

وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ ۔

اور اللہ سبحانہ نے جس چیز کو ملائے رکھنے کا حکم دیا ہے یہ اسکو قطع کرتے یعنی کاٹ دیتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ الرَّحِمُ وَالْقَرَابَۃُ (عبد بن حمید ابن جریر) رشتہ و قرابت مراد ہے۔ یعنی کسی کا اپنے سے کوی رشتہ ناطہ ہو یا کسی طرح کی قرابت ہو تو اللہ پاک کا حکم ہے کہ اس کا پاس و لحاظ رکھیں اور اپنے رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اسکو صلۂ رحمی کہتے ہیں۔ مقدس دین اسلام میں صلۂ رحمی کے باب میں بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جو لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں اُن کو اس آیہ کریمہ میں فاسقین یعنی اللہ کے حکم سے نکلے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا اور دور رہنا چاہئیے۔ اول خویش بعد درویش اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جملہ قبائل عرب سے نسبی رشتہ تھا۔ جب کفار عرب نے آپ کے ساتھ دشمنی شروع کی اور درپے آزار ہو گئے تو آپ فرمانے لگے اگر تم دین حق کو قبول کرنا نہیں چاہتے تو تم پر جبر نہیں لیکن میری قرابت اور رشتہ کا تو لحاظ کرو ایذائیں کیوں پہنچاتے ہو؟

یفسدون کی تفسیر

وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ حضرت سُدی اُسکی تفسیر میں فرماتے ہیں = ——

یَعْمَلُوْنَ فِیْهَا بِالْمَعْصِیَۃِ۔ (ابن ابی حاتم) زمین میں (طاعت و عبادت کی جگہ)

معصیت اور نافرمانی کے کام کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔۔۔۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اور نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر اس مقصد کے لیئے کہ وہ میری بندگی کرتے رہیں۔ مگر ان میں ایسے بھی ہیں جو طاعت وعبادت چھوڑ کر اسکی نافرمانی اور خلاف ورزی میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ سبحانہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرکے انعام پانے کے عوض اسکی ناراضی اور غضب کو مول لے رہے ہیں۔ ان کا انجام کیا ہے وہ آگے بیان فرمایا جارہا ہے۔

خاسرون کی تفسیر

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ یہی لوگ گھاٹا پانے والے اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یعنی اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے قرآن کریم کے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا:۔۔۔۔

كُلُّ شَيْءٍ نَسَبَهُ اللّٰهُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ مِنْ اِسْمٍ مِثْلِ خَاسِرٍ وَّمُسْرِفٍ وَّظَالِمٍ وَّمُجْرِمٍ وَّفَاسِقٍ فَاِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ الْكُفْرَ وَمَا نَسَبَهُ اِلٰى اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَاِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ الذَّنْبَ۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم) ہر وہ نام یا وصف جسکو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (قرآن کریم میں) غیر اہل اسلام کی طرف منسوب فرمایا ہو مثلاً خاسر (نقصان اٹھانے والا) مسرف (حد سے بڑھنے والا) ظالم (ظلم کرنیوالا) مجرم (گناہ گار) فاسق (حکم سے باہر ہوجانیوالا)

اس سے کفر مراد ہے۔ اور یہی اسماء و صفات (اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں)
اہل اسلام کی طرف منسوب فرما گئے ہوں تو اس سے گناہ مراد ہے "کفر مراد نہیں"

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ 2-28
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

کیونکر منکر ہوتے ہو تم اللہ سے حالانکہ تم بے جان (بے حس و حرکت تھے) پھر اس نے
تم کو زندہ جیتا جاگتا بنایا پھر تم کو (وقت مقرر پر) مار دیگا پھر تم کو (قیامت کے دن)
زندہ کریگا پھر تم (حساب دینے کے لیئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ کی تفسیر

جو لوگ وجود باری تعالیٰ ہی کے منکر ہیں ان کو مخاطب فرمایا جارہا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کی تمہارے لیئے گنجائش ہی کہاں ہے تمہارا حال تو یہ ہے کہ ایک ممتد زمانہ تک تمہارا وجود ہی نہ تھا اور نہ کہیں تمہارا ذکر مذکور اور نہ نام و نشان تک نہ تھا۔ جیسے کسی مرے ہوئے پر زمانہ دراز گزر جاتا ہے تو اُس کا ذکر مذکور اور نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے اور تمہارا وجود عناصر اربعہ (خاک و آب و ہوا اور نار) میں منتشر تھا۔ ان ہی عناصر اربعہ سے تمہارے باپ کی صلب میں ہمارے حکم سے آب حیات (نطفہ) پیدا ہوا اور رحم مادر

میں جائے گیر ہوا۔ پھر اس نطفہ سے خون، خون بستہ، مضغہ، گوشت پوست ہڈی وغیرہ بنی تمہاری صورت گری کی گئی۔ اعضاء تراشے گئے، پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ اب تم میں حرکت پیدا ہوئی اور حیات بخشی گئی۔ اس طرح نو مہینے گزرنے پر بطنِ مادر سے باہر لائے گئے۔ تمہاری نشوونما ہونے لگی۔ بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھے ہوئے۔ جب اجل مسمّٰی (مقررہ مدت) کی تکمیل ہوئی تو حیات سلب کرکے موت طاری کی گئی پھر جب یوم موعود (وہ دن جس کا وعدہ دیا گیا ہے) آن پہنچا تو تم کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا تاکہ دنیا میں تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا حساب لیا جائے اور تمہارے کئے ہوئے اعمال کی جزا دیجائے۔ اس کے لئے ایک دن تم کو ہمارے آگے پیش ہونا اور دنیوی زندگی کس طرح گزاری اس کی جوابدہی کرنی پڑیگی۔ جب یہ تمام مراحل پیش ہیں اور یقیناً درپیش ہیں پھر ان مراحل میں سے ایک مرحلہ بھی ایسا نہیں جسکو اللہ سبحانہ کے سوا دنیا کی کوئی ہستی طے کرا سکے تو لامحالہ تم کو تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ سارے انقلابات خود بخود نہیں آسکتے۔ ایک فاعل مختار ایسا ہے جسکے حکم سے یہ انقلابات لائے جاتے ہیں تو وہ فاعل مختار علیم و خبیر، سمیع و بصیر اور علیٰ کل شئی قدیر

یہی اللہ ہے۔ جس کا انکار نہ عقلاً ہو سکتا ہے اور نہ شرعاً نہ عرفاً نہ علماً نہ تجربۃً
یہ ایسی واضح روشن اور کھلی دلیل ہے کہ اس پر مزید کسی دلیل و برہان کی حاجت
ہی نہیں۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے عقلاء اور حکماء نے وجود باری تعالیٰ کے مسئلے کو
اعرف المعارف اور اجلی البدیہیات قرار دیا ہے۔ کتب سماویہ میں یہ مسئلہ
مذکور اور انبیاء و رسل علیٰ نبینا علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات و ہدایات بھی اس سے مملو ہیں

اقوالِ سلف الصالحین

حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ لَمْ تَكُوْنُوْا
شَيْئًا فَخَلَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ابن جریر)
تم کوئی چیز نہ تھے (کہ تمھارا نام لیا جائے یا کسی کو تمھاری خبر ہو سکے) پھر اس نے تم کو پیدا کیا پھر
وہی تم کو ماریگا، پھر قیامت کے دن تم سب کو جلائیگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔
اَمْوَاتًا فِيْ اَصْلَابِ آبَائِكُمْ ثُمَّ لَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا حَتّٰى
خَلَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ مَوْتَةَ الْحَقِّ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ حَيَاةَ الْحَقِّ حِيْنَ يَبْعَثُكُمْ۔
(ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) تم اپنے باپ دادا کی صلب میں بے جان تھے۔ پھر کوئی
چیز نہ تھے (کہ کسی کے علم و اطلاع میں لائے جا سکو) تا آنکہ اس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو
سچی موت دیگا، پھر تم کو سچی حیات بخشیگا جب کہ تم کو زندہ کر کے قبر سے اٹھائیگا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ كَانُوْا اَمْوَاتًا فِیْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ فَاَحْيَاهُمُ اللّٰهُ فَاَخْرَجَهُمْ
ثُمَّ اَمَاتَهُمُ الْمَوْتَةَ الَّتِیْ لَا بُدَّ مِنْهَا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ لِلْبَعْثِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهُمَا حَيَاتَانِ وَمَوْتَتَانِ
(عبد بن حمید، ابن جریر) سب لوگ اپنے باپ دادا کی صلب میں بے جان تھے۔ پھر اللہ سبحانہ
تعالیٰ نے انکو زندہ کر کے (رحم مادر سے) نکالا۔ پھر اُن پر موت طاری کی جس سے کوئی
مفر نہیں۔ پھر اُن کو قیامت کے دن قبروں سے زندہ کر کے اُٹھائے گا۔ اس طرح ہر ایک
کیلئے دو موت اور دو زندگیاں ہوئیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ لَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا
حَتّٰى خَلَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ مَوْتَةَ الْحَقِّ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ وَقَوْلُهُ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ مِثْلُهَا
(ابن جریر) تمہارے پیدا ہونے تک تم کوئی چیز نہ تھے پھر تم کو واقعی موت دے گا۔ پھر تم
کو زندہ کریگا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ بھی اسی طرح
لئے یعنی قیامت میں سب عرض کریں گے اے ہمارے رب آپ نے ہم کو دو موتیں اور دو زندگیاں بخشیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی 29
السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ع وہی ہے جس نے پیدا کیں
تمہارے لیے وہ تمام چیزیں جو زمین میں ہیں۔ پھر قصد کیا آسمان کی طرف پھر
سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

آفرینش عالم

اس آیہ کریمہ میں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے نہ صرف تم کو

پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لائے بلکہ تمھاری بقائے شخصی و نوعی کے لیئے زمین پر ہر طرح کی ضروری اور کار آمد چیزیں بکثرت پیدا کیں کھانے پینے پہننے اور برتنے کیلئے سامان و آلات پیدا کیئے۔ جو بجائے خود ہر چیز ایک نعمت ہے۔ جمادات نباتات، حیوانات تو سطح زمین پر ہیں۔ زمین کے اندر کانیں اور معادن ہیں جن کو کھود کھود کر نکالا جاتا اور ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اسکے علاوہ زمین کے اوپر سات طبق آسمان ہیں ان سے بھی تمھارے بہت سارے کام وابستہ ہیں

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ۔ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ۔ شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ اَخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِیْ فَقَالَ خَلَقَ اللّٰہُ التُّرْبَۃَ یَوْمَ	کس دن کیا پیدا ہوا

السَّبْتِ وَخَلَقَ فِیْھَا الْجِبَالَ یَوْمَ الْاَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَخَلَقَ الْمَکْرُوْہَ یَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَخَلَقَ النُّوْرَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ وَبَثَّ فِیْھَا الدَّوَابَّ یَوْمَ الْخَمِیْسِ وَخَلَقَ اٰدَمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

(امام احمد، تاریخ بخاری، مسلم، نسائی، ابن المنذر، ابوالشیخ، ابن مردویہ، بیہقی) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سنیچر کے

دن مٹی پیدا کی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کئے اور منگل کے دن مکروہات اور ناپسندیدہ چیزیں بنائیں اور چہارشنبہ کے دن نور پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں جانور پیدا کر کے ہر طرف پھیلا دیئے اور جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا۔"

زمینوں اور آسمانوں کی درمیانی مسافت

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں۔ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ كَمْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قُلْنَا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَمِنْ مَسِيْرَةِ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَكِثَفُ كُلِّ سَمَآءٍ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ وَفَوْقَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ اَوْعَالٍ بَيْنَ وَرِكِهِنَّ وَاَظْلَافِهِنَّ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ الْعَرْشُ بَيْنَ اَعْلَاهُ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عِلْمُهٗ فَوْقَ ذٰلِكَ وَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ اَعْمَالِ بَنِيْ اٰدَمَ شَيْءٌ۔

(امام احمدؒ، ابوداودؒ، ترمذیؒ بروایت حسن، ابن ماجہ، دارمی، ابن ابی الدنیا، ابن ابی عاصم، ابویعلی، ابن خزیمہ، ابن ابی حاتم، ابو احمد، حاکم بروایت صحیحہ، طبرانی، ابوالشیخ، لالکائی، بیہقی)

ہم حضور نبی اعظم و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان پانسو سال کی راہ ہے۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی پانسو سال کی مسافت ہے۔ اور ہر آسمان کا ثخن (موٹاپا) پانسو سال کی مسافت کے برابر ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر سمندر ہے جسکی گہرائی پانسو سال کے برابر ہے جیسی کہ آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ پھر اسکے اوپر آٹھ بلندیاں ہیں۔ ان سب کی بھی اتنی ہی مسافت ہے جتنی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پھر اس کے اوپر عرش اعظم ہے۔ اسکے اسفل اور اعلیٰ کے درمیان بھی اتنی ہی مسافت ہے جتنی آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم اسکے اوپر ہے۔ بنی آدم کے اعمال سے کچھ بھی اس پر مخفی نہیں ہے

علم الٰہی تمام کائنات پر محیط ہے

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ كَذٰلِكَ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْأَرَضُونَ مِثْلُ ذٰلِكَ وَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى الْعَرْشِ مِثْلُ جَمِيعِ ذٰلِكَ وَلَوْ حَفَرْتُمْ لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ دَلَّيْتُمُوهُ لَوَجَدَ اللّٰهَ ثَمَّةَ يَعْنِي عِلْمَهُ۔

(اسحاق بن راہویہ' ابوالشیخ' ابن مردویہ' بیہقی) آسمان اور زمین کے درمیان پانسو سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے تیسرے ساتویں آسمان تک اور زمینوں کا بھی یہی حال ہے کہ ایک زمین سے دوسری تیسری ساتویں زمین تک اسی قدر مسافت ہے اور ساتویں آسمان سے عرش اعظم تک ان تمام مسافتوں کے مثل مسافت ہے۔ اور فرض کرو کہ اپنے ساتھی کو سمجھانے کے لیئے اگر زمین کو کھودتے جاؤگے پھر ایک رسی لٹکاؤگے تو وہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے علم کو محیط پاؤگے۔"

آسمان فضائی موجیں ہیں

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاھٰذِہِ السَّمَآءُ قَالَ ھٰذِہٖ مَوْجٌ مَّکْفُوْفٌ عَنْکُمْ۔ (ابن ابی حاتم' ابوالشیخ' ابن مردویہ) ایک شخص نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! اس آسمان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ ارشاد مبارک ہوا کہ موج ہے جسکو تم لوگوں سے روک دیا گیا ہے" بظاہر اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک سیال چیز ہے۔ اور باوجود سیال ہونیکے کسی پر گرتا نہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ آسمانوں کو روکے ہوئے ہے کہ کہیں زمین پر گر نہ پڑے۔" اور ملائکہ کرام کی نسبت ارشاد باری ہے:۔ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ ہر ایک جماعت ملائکہ اپنے اپنے فلک میں تیرتی رہتی ہے" ان آیات کریمہ سے مذکورالصدر حدیث شریف کی تائید ہوتی ہے

ذات الٰہی میں تفکر کی ممانعت

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ۔ تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْئٍ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ فَاِنَّ بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلٰى كُرْسِيِّهِ سَبْعَةَ آلَافِ نُوْرٍ وَهُوَ فَوْقَ ذٰلِكَ ۔

(ابو الشیخ، بیہقی) ہر چیز میں غور و فکر کرتے رہو۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کبھی غور و فکر نہ کرنا کیونکہ ساتویں آسمان سے اسکی کرسی تک نور کے سات ہزار پردے ہیں اور ذات الٰہی اس سے بھی بلند و برتر ہے۔ جس کا ادراک طاقت بشری سے بالاتر ہے حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ؎

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
تواں در بلاغت بہ سحباں رسید نہ در کنہ بیچوں سبحاں رسید

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ
نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؀

اور جب فرمایا (اے نبی کریم!) آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب تو کہا (فرشتوں نے) کیا قائم کرتے ہیں زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہاتا رہے؟ حالانکہ ہم پڑھتے رہتے ہیں آپ کی خوبیاں اور یاد کرتے ہیں

367 2-30

آپ ہی کی پاک ذات۔ فرمایا بے شک مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے "۔

آدم کی زمین پر خلافت

یہاں ایک تیسری عظیم الشان نعمت کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ (اے نبی کریم!) وہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جبکہ آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ (نائب) مقرر کرنے والا ہوں۔ یہ سنتے ہی فرشتے سمجھ گئے کہ آدم جنکی تخلیق عناصر اربعہ (خاک، آب، ہوا اور آگ) سے ہوئی ہے جو باہم دیگر ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ ان سے جو چیز بنی ہے اس میں فساد اور خون ریزی ضرور ہوگی۔ عرض کیا کیا آپ زمین میں ایسی ہستی کو اپنا نائب گردانا چاہتے ہیں جسکی سرشت میں فساد اور خون ریزی ہے۔ نیابۃ اللہ کا اہم فریضہ آدم خاکی سے کس طرح انجام پاسکیگا اور ہم تو نور سے بنائے گئے ہیں۔ آپ کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور آپ کی یاد میں مستغرق رہتے ہیں۔ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اور لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ ہمارا وصف ہے۔ جو حکم ہم کو ہوتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں اور کسی حکم کی خلاف ورزی ہماری سرشت ہی میں نہیں لہذا یہ نیابت ہم کو سرفراز ہونی چاہیئے۔ اس پر ارشاد باری ہوا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ آدم کی وہ صفت ہم جانتے ہیں جسکو تم نہیں جانتے جسکی وجہ سے آدم ہی مستحق خلافت و نیابت قرار پاتا ہے۔ تم اس کا استحقاق نہیں رکھتے تمھارے پیش نظر اسکی صرف فساد و خون ریزی کی صفت ہے۔ اور ہمارے پیش نظر اسکے دوسرے صفات

بھی ہیں جن کے مدنظر آدم ہی مستحق خلافت و نیابت قرار پاتے ہیں۔ ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشتہ سرشتہ وز حیوان

گر کند میل این شود بہ از ین ور کند میل آں شود بہ ازاں

بنی آدم سے پیشتر زمین پر بنی جان کی حکومت تھی

جاننا چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش سے پیشتر زمین پر بنی جان کی حکومت تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَقَدْ كَانَ فِیْهَا قَبْلَ اَنْ یُّخْلَقَ بِاَلْفَیْ عَامٍ الْجِنُّ بَنُوا الْجَانِّ فَسَدُوْا فِی الْاَرْضِ وَسَفَكُوا الدِّمَآءَ فَلَمَّا اَفْسَدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعَثَ عَلَیْهِمْ جُنُوْدًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فَضَرَبُوْهُمْ حَتّٰی اَلْحَقُوْهُمْ بِجَزَائِرِ الْبُحُوْرِ فَلَمَّا قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ كَمَا فَعَلَ اُولٰٓئِكَ الْجَانُّ فَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا ہوں۔ تو انھوں نے (بہ طور استفادہ نہ کہ بہ طریق اعتراض) عرض کیا کیا آپ ایسے کو مقرر کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے اور خون ریزی کرے۔ واقعہ یوں تھا کہ

آدم علیہ السلام کی آفرینش سے دو ہزار سال پیشتر سے زمین پر بنی جان یعنی جنات کی حکومت تھی۔ انھوں نے زمین میں فساد پھیلایا اور خون ریزی کرنے لگے تو اللہ پاک نے ان کے مقابلہ کے لیئے فرشتوں کی فوجیں روانہ فرمائیں۔ یہ ان کو مار مار کر سمندروں کے جزائر کی طرف بھگادیا اور زمین کو ان کے وجود سے پاک کر دیا۔ اس کے بعد جب ارشاد الٰہی ہوا کہ میں ایک نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں تو ملائکہ نے عرض کیا۔ کیا آپ ایسے کو خلیفہ مقرر فرمانا چاہتے ہیں جو بنی جان کی طرح زمین میں فساد برپا کرے اور خون ریزی کرتا رہے؟ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ اسکی حکمت ہم جانتے ہیں تم کو معلوم نہیں"

ربّ کی تفسیر بات یہ ہے کہ پروردگار عالم کی شان ہی یہ ہے کہ جس چیز کو جس مقصد کے پیش نظر بناتے ہیں اس میں وہ تمام کمالات اور ملکات پیدا کر دیتے ہیں جو اس کے مقصد تخلیق کی تکمیل کے لیئے درکار ہیں سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے:۔ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا۔ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا یٰمُوۡسٰی ۔ آپ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) کا رب کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کے ذریعہ جواب دیا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال صلاحیتیں بخشی پھر ان سے کام لینے کی راہ بتلائی" اسی طرح اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کے لیئے

پیدا کیا تو ان کی ذات میں وہ تمام صلاحیتیں ودیعت فرمائیں جو خلافت ارضی کی انجام دہی کے لیئے ضروری تھیں۔ چنانچہ آگے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اور سکھلا دیئے (اللہ نے) آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان تمام چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھکو نام ان کے اگر تم سچے ہو"

آدم اور ملائکہ کا امتحان مقابلہ

یعنی خلافت ارضی کے لیئے آدم کے مقابلہ میں تم خود کو زیادہ مستحق تصور کرتے ہو تو ان چیزوں کے نام تو بتلا دو۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کی تخلیق خلافت کے لیئے نہیں فرمائی گئی تھی۔ اس لیئے اسکے لوازم سے یہ جماعت نا آشنا تھی۔ فرشتوں کا مقصد تخلیق عبادت اور تعمیل احکام کی حد تک تھا۔ اس میں وہ خوب ماہر تھے۔ خلافت کا مسئلہ ہی جداگانہ نوعیت کا تھا۔ اس کے لیئے علم کی ضرورت تھی۔ اگر فرشتوں کو کچھ علم حاصل بھی تھا تو معمولی درجہ کا علم جو خلافت کے لیئے کافی نہ تھا۔ بہ خلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ ان کی آفرینش خلافت کے لیئے تھی تو سارے کمالات علمیہ ان کی ذات میں ودیعت فرمائے گئے تھے۔ جب امتحان ٹھہرا تو فرشتوں کو اقرار کرنا پڑا اور انھوں نے صاف طور پر مان لیا جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

بولے آپ کی ذات پاک ہے۔ ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا آپ نے سکھلایا۔ بے شک

آپ ہی اصل جاننے والے حکمت والے ہیں ؛

آدمؑ کو تمام فرشتوں پر فضیلت

حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ۔

لَمَّا اَخَذَ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِ آدَمَ هَمَسَتِ الْمَلَائِكَةُ فِيْمَا بَيْنَهَا فَقَالُوْا لَنْ يَّخْلُقَ اللّٰهُ خَلْقًا اِلَّا كُنَّا اَعْلَمَ مِنْهُ وَاَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْهُ فَلَمَّا خَلَقَهٗ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْجُدُوْا لَهٗ لِمَا قَالُوْا فَفَضَّلَهٗ عَلَيْهِمْ فَعَلِمُوْا اَنَّهُمْ لَيْسُوْا بِخَيْرٍ مِّنْهُ فَقَالُوْا اِنْ لَّمْ نَكُنْ خَيْرًا مِّنْهُ فَنَحْنُ اَعْلَمُ مِنْهُ لِاَنَّا كُنَّا قَبْلَهٗ فَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا فَعَلَّمَ اٰسْمَآءَ كُلِّ شَيْءٍ جَعَلَ يُسَمِّيْ كُلَّ شَيْءٍ بِاسْمِهٖ وَعَرَضُوْا عَلَيْهِ اُمَّةً اُمَّةً ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَفَزِعُوْا اِلَى التَّوْبَةِ فَقَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا الْاٰيَةَ ۔

(ابن جریر) جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا تو فرشتوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جو کوئی مخلوق بھی پیدا کریگا ہم اس سے زیادہ علم رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے زیادہ باعزت ہونگے جب خدائے عزوجل نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسکے آگے جھک جائیں

اور سربسجود ہوں یہ حکم اس لیئے ہوا کہ انھوں نے اپنی برتری کا خیال کیا تھا۔ آدم کو تمام فرشتوں پر فضیلت بخشی اب وہ جان گئے کہ وہ ان سے بہتر نہیں ہیں۔ اسکے بعد اب فرشتے کہنے لگے کہ ہم آدم سے اگرچہ بہتر نہیں لیکن علم میں ان سے زیادہ ہیں کیونکہ ہم اُن کے وجود میں آنے کے پیشتر سے ہیں۔ ادھر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام سکھا دیئے تھے۔ چنانچہ وہ ہر چیز کو اس کے نام سے بلانے لگے اور ہر مخلوق آپ کے بلانے پر قطار در قطار آپ کے سامنے پیش ہونے لگی پھر ان مخلوقات کو فرشتوں کے پاس پیش کر کے حکم دیا گیا کہ تم بھی اُن کے اسماء بتاؤ اگر تم اپنے بیان میں سچے ہو۔ اس پر وہ گھبرا کر توبہ کرنے لگے کہ آپ کی ذات پاک ہے ہم کو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے سرفراز فرمایا بے شک اصل علم و حکمت آپ ہی کی ذات میں تمام و کمال جمع ہے۔" جیسا کے ارشاد ہو رہا ہے

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ۝

آدم! تم بتا دو ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام، پھر جب انھوں نے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔"

امتحان مقابلہ میں آدمؑ کی کامیابی	یعنی اشیاء کے نام بتانے سے جب ملائکہ نے اپنا عجز ظاہر کر دیا

تو حق تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب فرمایا کہ تم کائنات کی تمام چیزوں کے نام فرشتوں کو بتا دو تو آپ نے تمام چیزوں کے نام جو پیشتر سے جانتے تھے صاف صاف بتا دے جس سے تمام حاضر الوقت دنگ رہ گئے اور آدم علیہ السلام کی وسعت علمی پر عش عش کرنے لگے۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کیوں ہم نے پہلے ہی کہا نہ تھا کہ ہم آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور خود تم جن چیزوں کو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اُن کو بھی خوب جانتے ہیں! ہم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی سب پر ہمارا علم ذاتی محیط ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْئٍ عِلْمًا ۔ یقیناً اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہر ہر چیز کو احاطہ کیئے ہوئے ہے "اب فرشتوں کو بھی آدمؑ کے استحقاق خلافت کا اقرار کرنا پڑا۔

آدمؑ اور فرشتوں کا باہمی فرق

ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اس لیئے کہ فرشتے عبادت کے لیئے پیدا ہوئے تھے۔ عبادت ہی اُن کا کمال تھا۔ اُن کے معصوم ہونیکی وجہ سے ایک لمحہ بھی وہ اس سے غافل نہیں رہ سکتے تھے۔ عبادت اُن کی زندگی ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اُن کو جس امر کا بھی حکم دے وہ اُسکی نافرمانی نہیں کر سکتے اور جس چیز کا بھی اُن کو حکم دیا جائے وہ اُس کو بجا لاتے رہینگے۔ مگر یہ یاد رہے کہ عبادت

تمام مخلوقات کا خاصہ ہے عبادت صفت الٰہی نہیں ہے۔ البتہ علم صفت الٰہی ہے خلافت کے لیئے ایسی صفت کی ضرورت ہے جو مستخلف عنہ کی صفت ہو۔ فرشتے اگرچہ معصوم ہونیکی فضیلت رکھتے ہیں مگر علم جو خلیفہ کا طرۂ امتیاز ہے اس سے عاری ہیں۔ تھوڑا بہت علم اگر حاصل بھی ہو تو وہ علم جزوی ہے علم جزوی خلافت کے اہم فریضہ کی انجام دہی کے لیئے کافی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کو عبادت پر بھی فضیلت حاصل ہے کیونکہ عبادت مخلوق کا وصف ہے اور علم وصف خالق ہے عبادت اور علم میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ مخلوق اور خالق میں ہے۔ یہ خوب سمجھنے کی بات ہے۔ ارشاد باری ہے۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کیا جو لوگ جانتے اور علم رکھتے ہیں اور جو نہیں جانتے اور نہ علم رکھتے ہیں یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جاننے والے اور علم رکھنے والے ہی افضل و اعلیٰ ہیں۔

ماتبدون و ماتکتمون کی تفسیر

حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ سے مراد ملائکہ کرام کا وہ قول ہے جو انھوں نے آدم کے باب میں کہا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ کیا آپ ایسے کو زمین پر خلیفہ مقرر

فرماتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزی کرتا رہے؟" اور وَمَآ اَنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ اور جو تم چھپاتے ہو" سے مُراد ملائکہ کا یہ قول ہے:۔

لَنۡ یَّخۡلُقَ اللّٰہُ خَلۡقًا اَکۡرَمَ عَلَیۡہِ مِنَّا۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کبھی ایسی کوی مخلوق پیدا نہیں کریگا جو اُس کے نزدیک ہم سے زیادہ باعزت ہو" اس امتحان مقابلہ سے فرشتوں کی ایک بات بھی صحیح نہ نکلی۔ انسان جہاں فساد پھیلا سکتا ہے۔ فساد کو رفع بھی کرسکتا ہے اور خون ریزی اگر کرتا ہے تو خون ریزی کا انسداد بھی کرسکتا ہے۔ تمام انسانوں کو ایک ہی درجہ میں رکھنا درست نہیں۔ انسان جب فساد اور خون ریزی کا انسداد کرسکتا ہے تو فساد اور خون ریزی محض اُسکے انسان ہونیکی وجہ سے نہ ہوی بلکہ اُس کا سبب کوی اور ہے یعنی اُسکا جہل وغیرہ فساد اور خون ریزی کا سبب ہے نہ کہ اُس کا انسان ہونا۔

ابلیس کی آدم سے دشمنی

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ اِنَّ اِبۡلِیۡسَ مَرَّ عَلٰی جَسَدِ اٰدَمَ وَھُوَ مُلۡقًی بَیۡنَ مَکَّۃَ وَالطَّائِفِ لَارُوۡحَ فِیۡہِ فَقَالَ لِاَمۡرٍ مَّا خُلِقَ ھٰذَا ثُمَّ دَخَلَ مِنۡ فِیۡہِ وَخَرَجَ مِنۡ دُبُرِہٖ وَقَالَ اِنَّہٗ خَلۡقٌ لَا یَتَمَا سَکُ لِاَنَّہٗ اَجۡوَفُ ثُمَّ قَالَ لِلۡمَلٰئِکَۃِ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ اِنۡ فُضِّلَ عَلَیۡکُمۡ وَاُمِرۡتُمۡ بِطَاعَتِہٖ

مَا ذَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا نُطِیْعُ مَا اَمَرَنَا رَبُّنَا۔ فَقَالَ اِبْلِیْسُ فِیْ نَفْسِہٖ وَاللّٰہِ لَئِنْ سُلِّطْتُ عَلَیْہِ لَاُھْلِکَنَّہٗ وَلَئِنْ سُلِّطَ عَلَیَّ لَاَعْصِیَنَّہٗ۔ (بغوی)

ابلیس کا گزر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد مبارک کے پاس سے ہوا جب کہ وہ مکہ اور طائف کے درمیان پڑا ہوا تھا ابھی اس میں جان نہیں پڑی تھی۔ یہ دیکھکر ابلیس اپنے آپ میں کہنے لگا یہ کس مقصد کے لیئے پیدا کیا جا رہا ہے۔ پھر منہ کی طرف سے گھس کر پیچھے کی سمت سے نکلا اور کہنے لگا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے اندر کسی چیز کو روک کر نہیں رکھ سکتی کیونکہ اس کا اندرونی حصہ (ٹھوس نہیں بلکہ) کھوکھلا ہے۔ پھر جو فرشتے اسکے ساتھ تھے ان سے کہنے لگا کہ اگر تم کو اس پر برتری دی جائے اور تم کو اسکی اطاعت کا حکم دیا جائے تو تم کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہم اپنے پروردگار کے حکم کو بجا لائیں گے۔ یہ سن کر ابلیس نے اپنے جی میں کہا اگر مجھے اس پر قابو دیا جائے تو میں اس کو ہلاک کرکے چھوڑوں گا۔ اور اس کو مجھپر مسلط کر دیا جائے تو میں کبھی اسکی بات نہ مانونگا۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ سے یہ مراد ہے۔ حقیر عرض کرتا ہے کہ دونوں اقوال بجائے خود صحیح ہو سکتے ہیں انمیں باہم تضاد نہیں ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۝ 2-34

اور جب فرمایا ہم نے فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے آگے تو وہ جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا اور بڑائی جتائی اور وہ تھا منکرین ہی سے ۔

فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کا حکم

یعنی امتحان مقابلہ میں جب فرشتے ہار گئے تو ہم نے کہا فرشتوں سے کہ آدم کے آگے جھک جاؤ چنانچہ وہ سب جھک گئے مگر ابلیس جو فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اس نے آدم کے آگے جھک جانے سے انکار کیا ۔ اور آدم کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتائی اور تکبر کیا ۔ وہ تو پیشتر ہی سے آدم کی فضیلت اور برتری کا منکر تھا ۔ وہ کہتا تھا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ۔ میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو گیلی مٹی سے پیدا فرمایا ؛ مٹی کے مقابلہ میں آگ اشرف ہے ۔ اشرف ، ادنیٰ کے آگے کیونکر جھک سکتا ہے ؟

حضرت آدم کی آفرینش

حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش کا واقعہ حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابۂ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس طرح مروی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ زمین پر جا کر مٹھی بھر مٹی اٹھا لائیں ۔ جبرئیل جب زمین پر اترے تو زمین نے کہا ۔۔۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ اَنْ تَنْقُصَ مِنِّیْ ۔ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں خدارا مجھے نقصان نہ پہنچائیے ۔

حضرت جبرئیل کو زمین نے اللہ کا واسطہ دیا تو وہ بغیر کچھ لیئے واپس ہو گئے اور عرض کیا کہ

بار الٰہا! زمین نے آپ کا واسطہ دیا اور آپ کی پناہ ڈھونڈی۔ اس کے بعد میری ہمت نہ ہوئی کہ اس کا کوئی حصہ جدا کر کے لاؤں۔ ان کے بعد حضرت اسرافیل و میکائیل یکے بعد دیگرے اسی طرح بھیجے گئے ان کو بھی زمین نے یہی جواب دیا اور وہ پچھلے پاؤں لوٹ گئے اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ زمین نے اُن کو بھی وہی جواب دیا جو اُن سے پیشتر جبرئیل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو دیا تھا۔ مگر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ وَ اَنَا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَرْجِعَ وَلَمْ اُنْفِذْ اَمْرَہٗ ۔ اور میں بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈتا ہوں کہ حکم الٰہی کو جاری و نافذ کیئے بغیر واپس ہو جاؤں" یہ کہکر انھوں نے روئے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا لی۔ اور بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر مٹی بھی پیش کر دی اور سارا قصہ عرض کر دیا۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ تم مٹی اٹھا لائے ہو تو تم ہی اس قابل ہو کہ اس مٹی سے جو مخلوق پیدا ہو گی اُسکی جان نکالا کرو۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے چونکہ تمام روئے زمین پر ہاتھ مار کر ہر حصۂ زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی تھی اس لیئے بنی آدم بھی مختلف رنگ کے سرخ، سیاہ، زرد، اچھے برے سبھی قسم کے پیدا ہوئے۔ یہ تراب یعنی خشک مٹی تھی۔ پھر اُسکو جنت کے پانی سے تر کیا گیا اور عرصہ تک اس کو بھگویا گیا تو اس کی شکل طین یعنی

گیلی مٹی کی ہوگی پھر اس کو دست قدرت سے گوندوا کر طِیْنٍ لَازِبٍ لیس دار مٹی بنایا گیا پھر اسکو حماٍ مسنون گلی ہوی مٹی بنا کر خاک کا پتلا تیار کیا گیا۔ پھر اس کو خشک کیا گیا تو صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ سوکھ کر کھنکھناتا ہوا ظرف تیار ہوا پھر اسمیں جان ڈالی گئی تو گوشت پوست، رگ پٹھے ناخن بال، ہڈی، مغز والا انسان بنا۔ جان ڈالنے سے پہلے جب کبھی ابلیس کا گزر کالبد آدم کے پاس سے ہوتا ہے تو وہ اسکو بجا بجا کر دیکھتا اور اس سے کھنکھناتی آواز آتی۔ ابلیس کہتا کہ آدم کھوکھلی مخلوق ہے۔ اس میں کچھ نہیں۔ اسی وقت سے ابلیس خود کو آدم سے اشرف و اعلیٰ سمجھنے لگا۔ جب اس نے سجدۂ آدم سے انکار کیا تو مردود و ملعون ٹھہرا یہ تمام تفصیل تفسیر ابن جریر، بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات اور تاریخ ابن عساکر میں حضرت ابن مسعود اور دیگر اصحاب کرام سے مروی ہے۔ اور دوسری تفاسیر اور کتب احادیث شریفہ میں بھی مذکور ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

سجدۂ ملائکہ کی نسبت

رہا یہ امر کہ ملائکہ کا سجدہ کیسا تھا اسکی نسبت حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ کَانَتِ السَّجْدَۃُ لِاٰدَمَ وَالطَّاعَۃُ لِلّٰہِ (ابن ابی حاتم) سجدہ تو بظاہر آدم کے سامنے تھا اور حقیقت میں عبادت

فرمانبرداری اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔

اَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْجُدُوْا فَسَجَدُوْا اَلْكَرَامَةُ مِنَ اللّٰهِ اَكْرَمَ بِهَا آدَمَ۔

(ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ ان کے آگے سربسجود ہو گئے۔ یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے آدم کا اعزاز تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت ہوا۔ حضرت ابراھیم مزنی فرماتے ہیں:۔ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ آدَمَ كَالْكَعْبَةِ۔ (ابن عساکر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی طرح قرار دیا۔ کہ تمام سجدے کعبۃ اللہ شریف کی طرف رخ کر کے ادا کیے جاتے ہیں لیکن کعبہ کو سجدہ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ سجدہ حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کی صرف جہت قرار دیا گیا تھا۔ سجدہ بہ ظاہر ان کی طرف رخ کر کے ادا کیا گیا لیکن سجدہ اللہ سبحانہ کو کیا گیا۔

سجود کے معنی لغوی و شرعی

ان ہی روایات کی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:۔ وَالسُّجُوْدُ فِي الْاَصْلِ التَّذَلُّلُ وَفِي الشَّرْعِ وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ عَلٰى قَصْدِ الْعِبَادَةِ وَالْمَاْمُوْرُ بِهٖ اِمَّا الْمَعْنَى الشَّرْعِيُّ فَالْمَسْجُوْدُ لَهٗ يَكُوْنُ بِالْحَقِيْقَةِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجُعِلَ آدَمُ قِبْلَةً تَفْخِيْمًا لِّشَاْنِهٖ وَاعْتِرَافًا لِمَا اَنْكَرُوْا اَوَّلًا مِنْ فَضْلِهٖ

(مظہری) لغت میں اظہار ذلت کو سجدہ کہتے ہیں اور شرع شریف میں پیشانی کو زمین پر بہ قصد عبادت رکھدینے کا نام سجدہ ہے۔ رہا یہ کہ حکم الہیٰ کیا تھا؟ اظہار تذلیل یا وضع جبہہ اگر معنی شرعی کے مطابق سجدہ کا حکم ہوا تھا تو حقیقت میں ملائکہ کرام کا سجدہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے لیئے تھا اور آدم علیہ السلام کو صرف قبلہ گردانا گیا تھا انکے اعزاز کیلئے اور انکی شان بڑھانے کے لیئے نیز انکی فضیلت کا جو انکار ابتداء میں کیا گیا تھا اب انکی فضیلت کا اعتراف کرنے کے لیئے۔ اس خیال کی تائید حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي وَيَقُولُ يَا وَيْلَهُ أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔ (امام احمد مسلم) ابن آدم جب آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان وہاں سے روتا ہوا ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہائے افسوس کہ ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا تو اس نے فوراً سجدہ کر لیا جسکے باعث وہ جنت کا مستحق ٹھہرا۔ اور مجھے بھی سجدے کا حکم دیا گیا تھا مگر میں نے نافرمانی کی تو اسکی پاداش میں مجھے دوزخ نصیب ہوئی۔ یہاں سجدۂ تلاوت سجدۂ شرعی ہے۔ جو شرع شریف کے حکم کی بنا پر واجب ہوتا ہے۔ اور بطور عبادت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیئے کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے لیئے یہ سجدہ نہیں ہے۔ اس صورت میں لِآدَمَ

کا لام بمعنی اِلٰی ہوگا اور اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اُسْجُدُوْا اِلٰی آدَمَ کے معنی میں ہوگا۔ یعنی آدم کی طرف رخ کرکے سجدہ کرو۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لِاٰدَمَ کا لام سببیہ ہو۔ یہ اس لیئے کہ فرشتوں نے حضرت آدم کی نفضیلت میں کلام کیا تھا اور جب اُن کی فضیلت امتحان مقابلہ میں ثابت ہوگئی تو فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تھا تاکہ اس سبب سے فرشتوں کے حق میں صورت توبہ پیدا ہو جائے اور آدم کی فضیلت میں فرشتوں کو کوی کلام نہ رہے۔ کلام عربی میں لام سببیہ بھی ہوتا ہے۔ جیساکہ آیہ کریمہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ میں لِدُلُوْكِ کا پہلا لام سببیہ ہے اور یہ حکم ہے کہ غروب آفتاب کے سبب سے نماز قائم کرو یعنی غروب آفتاب نماز مغرب کی ادائی کا سبب ہے۔

سجود ملائکہ سجدہ لغوی تھا

اگر سجدۂ آدم سے سجدۂ لغوی مراد لیا جائے جس کے معنی صرف اظہار تذلیل کے ہیں جیساکہ اوپر بتلایا گیا تو یہاں اسکی بھی گنجائش ہے۔ یعنی فرشتوں کو سجدے کا جو حکم ہوا تھا وہ سجدۂ شرعی نہیں بلکہ سجدۂ لغوی کا مطالبہ فرمایا گیا تھا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں۔ هٰذَا الْقَوْلُ اَصَحُّ قَالَ وَلَمْ يَكُنْ وَضْعُ الْوَجْهِ عَلَى الْاَرْضِ اِنَّمَا كَانَ الْاِنْحِنَاءَ

فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ اَبْطَلَ ذٰلِكَ بِالسَّلَامِ ـــــ

یہی قول صحیح تر ہے۔ سجود ملائکہ زمین پر پیشانی رکھنا نہ تھا صرف آدم کے آگے جھک جاتا تھا جب اسلام آیا تو تحیت کے موقع پر السلام علیکم کہدینا کافی قرار دیا گیا اور کسی کے آگے جھک جانے کو بھی باطل قرار دیا گیا۔ سابقہ شریعتوں میں تحیت جائز تھا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے اُن کے بھائیوں اور والدین نے سجدۂ تحیت کیا تھا یعنی اُن کے آگے یہ حضرات جھک گرے تھے۔ اب شریعت شریفہ کی رو سے یہ بھی جائز نہیں صرف السلام علیکم کہنا چاہیے۔ اسی وجہ سے ہم نے اُسْجُدُوْا لِآدَمَ کا ترجمہ آدمؑ کے آگے جھک جانے کا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابلیس کا تکبر اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ۔ مگر ابلیس نے (سجدہ سے) انکار کیا اور تکبر کیا۔

ابلیس کا آغاز و انجام حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کَانَ اِبْلِیْسُ مِنْ اَشْرَفِ الْمَلَآئِکَۃِ مِنْ اَکْبَرِھِمْ قَبِیْلَۃً وَکَانَ خَازِنَ الْجِنَانِ وَکَانَ لَہٗ سُلْطَانُ سَمَآءِ الدُّنْیَا وَسُلْطَانُ الْاَرْضِ فَرَاٰی اَنَّ لِذٰلِکَ عَظَمَۃً وَسُلْطَانًا عَلٰی اَھْلِ السَّمٰوٰتِ فَاَضْمَرَ فِیْ قَلْبِہٖ مِنْ ذٰلِکَ کِبْرًا لَمْ یَعْلَمْہُ اِلَّا اللّٰہُ فَلَمَّا اَمَرَ اللّٰہُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ خَرَجَ کِبْرُہُ الَّذِیْ کَانَ یُسِرُّ۔ (ابن المنذر) ابلیس تمام فرشتوں سے اشرف اور اس کا قبیلہ بھی فرشتوں کے قبائل سے بہت بڑا تھا۔ وہ جنتوں کا خزانچی تھا اور آسمان دنیا اور زمین کی بادشاہت بھی اس کو حاصل تھی۔ اس نے سمجھا کہ اس وجہ سے اس کو برتری اور تمام آسمان والوں پر اس کو بادشاہت حاصل ہے۔ اس بنا پر اپنے دل میں وہ خود کو سب سے بڑا سمجھا ہوا تھا۔ اس کے دل کی یہ بات اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی پھر جب اللہ نے فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو اس کے دل میں جو تکبر چھپا ہوا تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

کرنے سے انکار کر دیا" اس سے معلوم ہوا کہ تکبر ایسی بُری بلا ہے جس کی شامت سے سارے کمالات اور محاسن پر پانی پھر جاتا ہے اور تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔

تکبر عزازیل را خوار کرد   بزندانِ لعنت گرفتار کرد

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ کَانَ اِبْلِیْسُ اِسْمُہٗ عَزَازِیْلَ وَ کَانَ مِنْ اَشْرَفِ الْمَلَائِکَۃِ مِنْ ذَوِی الْاَجْنِحَۃِ الْاَرْبَعَۃِ ثُمَّ اُبْلِسَ بَعْدُ۔ (ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، بیہقی) ابلیس کا نام (اسمائے ملائکہ سے ملتا ہوا) عزازیل تھا با عزت و شرف ملائکہ میں اس کا شمار تھا اس کے بھی چار پر تھے پھر اس کا نام ابلیس قرار پایا" حضرت موصوف نے یہ بھی فرمایا:۔ کَانَ اِبْلِیْسُ قَبْلَ اَنْ یَّرْکَبَ الْمَعْصِیَۃَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ وَ کَانَ اسْمُہٗ عَزَازِیْلَ وَکَانَ مِنْ سُکَّانِ الْاَرْضِ وَکَانَ مِنْ اَشَدِّ الْمَلَائِکَۃِ اجْتِہَادًا وَّ اَکْثَرِھِمْ عِلْمًا فَذٰلِكَ دَعَاہُ اِلَی الْکِبْرِ وَکَانَ مِنْ حَیٍّ یُّسَمُّوْنَ جِنًّا۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن الانباری) معصیت کا مرتکب ہونے سے پہلے ابلیس ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا نام عزازیل تھا۔ اور زمین پر اس کی بود و باش تھی۔ تمام فرشتوں سے زیادہ طاعت و عبادت میں اس کا حصہ تھا اور علمی اعتبار سے بھی یہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ بس

یہی چیز اس کے تکبر کا باعث ہوئی۔ اس کا جنسی تعلق ایک قبیلہ سے تھا جس کو جن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔" اس کی تائید قرآن کریم کی آیۂ کریمہ سے ہوتی ہے:۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ یقیناً وہ ابلیس قوم جن سے تھا جس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔" یہاں مفسرین کرام کے اور بھی اقوال ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم لحقیقۃ الحال۔

سجدہ ملائکہ کی تفسیر حضرت قتادہ آیہ کریمہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ كَانَتِ السَّجْدَةُ لِاٰدَمَ وَالطَّاعَةُ لِلّٰهِ وَحَسَدَ عَدُوُّ اللّٰهِ اِبْلِيْسُ اٰدَمَ عَلٰى مَآ اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِنَ الْكَرَامَةِ فَقَالَ اَنَا نَارِيٌّ وَهٰذَا طِيْنِيٌّ فَكَانَ بَدْءُ الذُّنُوْبِ الْكِبْرُ اِسْتَكْبَرَ عَدُوُّ اللّٰهِ اَنْ يَّسْجُدَ لِاٰدَمَ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) سجدہ بظاہر آدمؑ کی طرف تھا مگر طاعت و عبادت درحقیقت اللہ سبحانہ کی تھی۔ دشمن خدا ابلیس نے آدم علیہ السلام کے ساتھ حسد کیا اس بزرگی کی بنا پر جو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔ کہنے لگا کہ میں ناری ہوں آگ سے پیدا ہوا اور یہ مٹی کیچڑ سے بنایا ہوا ہے۔ اس طرح گناہوں کی ابتدا تکبر سے ہوئی۔ دشمن خدا نے آدم کو سجدہ کرنے کے بارے میں اپنی بڑائی جتائی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ اِنَّمَا سُمِّیَ اِبْلِیْسُ لِاَنَّ اللّٰہَ اَبْلَسَہٗ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّہٖ آیَسَہٗ مِنْہُ ۔ (ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن الانباریؒ) شیطان کا نام "ابلیس" اس لیئے رکھا گیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کو ہر امرِ خیر سے دور رکھا اور خیر کے کرنے سے اس کو مایوس و ناامید قرار دیا۔ "اُبْلِسَ کے معنی ہیں ناامید کیا ہوا۔

کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ کی تفسیر

وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ۔ اور وہ (ابلیس) تھا ہی منکرین میں سے "یعنی علم الٰہی میں ازل ہی سے کافر تھا۔ اوروں کو یہ بات معلوم نہ تھی اس کی ساری ریاضت و طاعت ریا و فریب تھی۔ پھر جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ کافر ہے۔ اس کا کفر صرف یہی نہیں کہ اس نے سجدے سے انکار کیا بلکہ ان وجوہ سے بھی کہ اس نے حکم الٰہی کو خلاف حکمت و مصلحت اور اپنے لئے موجب ننگ و عار خیال کیا۔ اور آدم کے مقابلے میں خود کو بلند و برتر سمجھا۔

علم کی فضیلت

مذکورالصدر پوری روداد سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حضرت انسان یا آدم علیہ السلام کو ملائکہ کرام پر جو فضیلت حاصل ہوئی وہ علم ہی کی بدولت ہے۔ ملائکہ کرام عبادت کے لئے پیدا ہوئے تھے عبادت کے اعتبار سے بنی آدم

فرشتوں پر سبقت نہیں لے جاسکتے۔ علم ایسی فضیلت ہے کہ تمام عمر کی عبادت بھی
اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی وجہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد
فرمایا:— فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ۔ عالم کی فضیلت
عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمہارے ادنیٰ شخص پر ہے" اس کی وجہ یہ ہے
کہ عابد اپنی عمر بھر کی ریاضت و عبادت سے صرف اپنی نجات کا سامان کرتا ہے
لیکن عالم کا یہ حال ہے کہ اس کی بدولت بہت ساری مخلوق اپنی نجات کا
سامان کرتی اور نجات پاتی ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا:—

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ   بشکست عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود   تا اختیار کردی ازاں ایں فریق را
گفت او گلیم خویش بروں مے برد ز موج   ویں سعی مے کند کہ بگیرد غریق را

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا 2-35
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا
مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ اور کہا ہم نے اے آدم! رہا کرو تم اور تمہاری بیبی
جنت میں اور کھاتے رہو اس میں سے جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو جی بھر،
اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو جاؤ گے تم ظالموں سے"

زَوْجُكَ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نیز متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے:۔ لَمَّا سَكَنَ آدَمُ الْجَنَّةَ كَانَ يَمْشِي فِيهَا وَحْشًا لَيْسَ لَهُ زَوْجٌ يَسْكُنُ إِلَيْهَا فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا عِنْدَ رَأْسِهِ امْرَأَةٌ خَلَقَهَا اللّٰهُ مِنْ ضِلَعِهِ فَسَأَلَهَا مَا أَنْتِ قَالَتْ امْرَأَةٌ قَالَ وَلِمَ خُلِقْتِ قَالَتْ لِتَسْكُنَ إِلَيَّ قَالَتْ لَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَنْظُرُونَ مَا يَبْلُغُ عِلْمُهُ مَا اسْمُهَا يَا آدَمُ قَالَ حَوَّآءُ قَالُوْا لِمَ سُمِّيَتْ حَوَّآءَ قَالَ لِأَنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ حَيٍّ فَقَالَ اللّٰهُ يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی، ابن عساکر) آدم علیہ السلام جب جنت میں رہنے لگے تو وحشت زدہ ہو کر پریشان پھرتے رہے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے سکون حاصل کریں اتفاق سے وہ سو رہے۔ ایک نیند لیکر جاگ اٹھے تو ایک عورت کو اپنے سر کے پاس بیٹھی ہوئی پایا جن کو اللہ سبحانہ نے آپ کی بائیں پسلی سے پیدا کیا تھا۔ پوچھا تم کیا چیز ہو۔ انھوں نے کہا میں ایک عورت ہوں۔ فرمایا کہ تم کیوں پیدا کی گئی ہو۔ جواب دیا تاکہ آپ میرے پاس سکون خاطر حاصل کریں۔ فرشتوں نے آپ کا مبلغ علم دیکھنے کے لئے پوچھا۔ آدم! ان کا نام کیا ہے؟ جواب دیا

حوا ہے۔ پھر دریافت کیا ان کا نام حوا کیوں رکھا گیا؟ فرمایا اس لئے کہ وہ ایک زندہ شخص سے پیدا کی گئی ہیں۔ پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ۔اے آدم! تم اور تمھاری بی بی دونوں جنت میں رہو۔"

حضرت حوا کی لطافت حضرت اشعث حدانی فرماتے ہیں: ۔كَانَتْ حَوَّآءُ مِنْ نِسَآءِ الْجَنَّةِ وَكَانَ الْوَلَدُ يُرٰى فِى بَطْنِهَا اِذَا حَمَلَتْ ذَكَرًا اَوْ اُنْثٰى مِنْ صَفَآئِهَا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت حوا علیہ السلام خواتین جنت سے تھیں ان کی لطافت و پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ حاملہ ہوئیں تو بچہ ان کے پیٹ میں سے دکھائی دیتا اور لڑکا ہے یا لڑکی پہچان لیا جاسکتا تھا۔"

رَغَدًا کی تفسیر وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا۔ اور تم دونوں کھاتے رہو نعیم جنت سے جی بھر۔" حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رَغَدًا کی تفسیر میں مروی ہے: ۔اَلْهَنِیُّ۔ خوشگوار۔ رچتا بچتا۔" یعنی جنت کی ہر نعمت خوشگوار طبع ہوگی۔ اس کو دیکھتے لیتے اور کھانے کو جی چاہتا ہوگا۔ پھر کھانے کے بعد اس میں کسی قسم کی ناگواری یا ثقل کو دخل نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ رَغَدًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ۔اَلرَّغَدُ سَعَةُ الْمَعِيْشَةِ

(ابن جریر، ابن ابی حاتم) رَغَدًا کے معنی گزر بسر کی وسعت کے ہیں " یعنی ہر چیز افراط کے ساتھ ہو گی۔ جتنا جی چاہے اپنے استعمال میں لاؤ۔ یہاں کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ یہاں خوشگواری اور افراط دونوں اوصاف مراد لئے جا سکتے ہیں۔

حَیْثُ شِئْتُمَا کی تفسیر

حَیْثُ شِئْتُمَا۔ تم دونوں جہاں چاہو "رہو اور جو چیز جتنی چاہو لو۔ حضرت مجاہد نے اس کی تفسیر یوں فرمایا: — لَا حِسَابَ عَلَیْکُمْ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) تم سے کسی امر کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ جنت میں کسی امر کی کوئی پابندی اور قید و بند نہیں ہے۔ اور نہ تم پر کسی چیز کی ذمہ داری ہے۔

لا تقربا ھٰذہ الشجرۃ کی تفسیر

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور پاس نہ جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے ظالموں سے " حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — اَلشَّجَرَةُ الَّتِيْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا آدَمَ السُّنْبُلَةُ وَفِيْ لَفْظٍ اَلْبُرُّ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، ابن عساکر) جس درخت کے پاس جانے سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آدمؑ کو منع فرمایا وہ خوشہ دار درخت تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ گیہوں کا پودا تھا "

حضرت وہب بن منبہؓ کی روایت بھی یہی ہے۔ اس میں مزید صراحت یوں ہے: —

اَلشَّجَرَةُ الَّتِیْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا آدَمَ الْبُرُّ وَلٰكِنَّ الْحَبَّةَ مِنْهَا فِی الْجَنَّةِ كَكُلَى الْبَقَرِ اَلْيَنُ مِنَ الزُّبْدِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جس درخت کے پاس جانے سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو منع فرمایا تھا وہ گیہوں کا پودا تھا لیکن جنت میں اس کا ایک ایک دانہ گائے کے گردے کے برابر ، مسکہ سے نرم تر اور شہد سے شیریں تر“ دوسری روایات میں انگور، انجیر، بادام، خرما، ترنج وغیرہ بھی وارد ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اس ممانعت کا راز اس ممانعت میں حکمت کیا تھی؟ اس کی نسبت حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں : — كَانَتِ الشَّجَرَةُ مَنْ اَكَلَ مِنْهَا اَحْدَثَ وَلَا يَنْبَغِیْ اَنْ يَكُوْنَ فِی الْجَنَّةِ حَدَثٌ ۔ (ابن ابی حاتم، ابو الشیخ) شجر ممنوعہ سے ممانعت اس بنا پر تھی کہ جو کوئی اس کو استعمال کرے گا اس کو حدث ہوگا اور جنت محلِ حدث نہیں“ یعنی بول و براز کی جگہ نہیں ۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں :-

اِبْتَلَى اللّٰهُ آدَمَ كَمَا ابْتَلَى الْمَلٰٓئِكَةَ قَبْلَهٗ وَكُلُّ شَیْءٍ خَلَقَ مُبْتَلًى وَلَمْ يَدَعِ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ خَلْقِهٖ اِلَّا ابْتَلَاهُ بِالطَّاعَةِ فَمَا زَالَ الْبَلَاءُ بِآدَمَ حَتّٰى وَقَعَ فِيْمَا نَهَاهُ عَنْهُ ۔ (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا (اس ممانعت کے ذریعہ) امتحان لیا جیسا کہ اس سے پیشتر فرشتوں کا

امتحان فرمایا اور ہر چیز جو پیدا کی گئی اس کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی کسی مخلوق کو اپنی طاعت و فرماں برداری کا امتحان لئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان ہوتا رہا تا آنکہ آپ ممنوعہ شئی کے امتحان میں مبتلا ہو گئے"۔ حضرت قتادہ کا ایک قول یہاں یہ بھی ہے: فَبَدَتْ لَهُ سَوْأَتُهُ ذٰلِكَ وَكَانَ لَا يَرَاهَا فَاُهْبِطَ مِنَ الْجَنَّةِ۔ (عبد بن حمید)

اور ممنوع کی خلاف ورزی ہوئی تھی کہ آپ کی شرمگاہ آپ پر ظاہر ہو گئی جس کو آپ نہیں دیکھا کرتے تھے۔ پھر آپ جنت سے نیچے باہر کر دیے گئے"۔ جیسا کہ آگے صراحت آ رہی ہے۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ ○ پھر پھسلا دیا اُن کو شیطان نے وہاں سے پھر نکالا اُن کو اُس (عزت و راحت) سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم (آپس میں) ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اُٹھانا ہے ایک وقت تک

آیۂ کریمہ مندرجہ صدر کی تفسیر

یعنی شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے جنت سے دور کر دیا

اور وہ جس لطف و راحت میں تھے اس سے ان کو نکال دیا۔ پھر ہمارا حکم ہوا کہ آدمؑ
حواء ابلیس اور سانپ جنت سے آسمانوں پر اور آسمانوں سے زمین پر اتار دئے جائیں
ایسی حالت میں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ اور وقت مقررہ یعنی
موت یا قیامت تک زمین ہی ان کا ٹھکانا بنی رہے۔ اور زمین کی پیداوار سے اور
اس کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہیں۔

ایک سوال کا جواب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس کو تو سجدہ نہ کرنے کی
وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا تھا پھر وہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو بہکانے
کے لئے جنت میں کس طرح آنے پایا؟ اس کے متعلق علامہ بغوی فرماتے ہیں:—

اِنَّ اِبْلِيْسَ اَرَادَ اَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ لِيُوَسْوِسَ اٰدَمَ وَحَوَّآءَ فَمَنَعَتْهُ
الْخَزَنَةُ فَاَتَتْهُ الْحَيَّةُ وَكَانَتْ صَدِيْقَةً لِاِبْلِيْسَ وَكَانَتْ مِنْ اَحْسَنِ
الدَّوَابِّ لَهَا اَرْبَعُ قَوَائِمَ كَقَوَائِمِ الْبَعِيْرِ وَكَانَتْ مِنْ خُزَّانِ
الْجَنَّةِ فَسَأَلَهَا اِبْلِيْسُ اَنْ تُدْخِلَهُ فِيْ فَمِهَا فَاَدْخَلَتْهُ فَمَرَّتْ بِهٖ
عَلَى الْخَزَنَةِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ۔ (مظہری) ابلیس نے
چاہا کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے لئے داخل جنت ہو
مگر محافظین نے اس کو روک دیا۔ اتنے میں سانپ آیا جس کی ابلیس سے دوستی تھی۔

اس عہد میں سانپ خوبصورت جانور تھا جس کے اونٹ کی طرح چار پاؤں تھے یہ بھی جنت کا نگران کار تھا۔ ابلیس نے اس سے درخواست کی کہ اپنے منہ میں بٹھا کر جنت میں چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ اس کو اسی طرح نگران کاروں کے پاس لے گیا ان کو اس طرح آنے کا علم نہ تھا۔ سانپ نے اس طرح ابلیس کو جنت میں لا کر چھوڑ دیا۔" اس مضمون کی علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابو العالیہ وہب بن منبہ اور محمد بن قیس سے روایت کی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

اِنَّمَا رَآهُمَا عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ لِاَنَّهُمَا كَانَا يَخْرُجَانِ مِنْهَا (مظہری) حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو ابلیس نے جنت کے دروازے پر دیکھ لیا تھا۔ (وہیں سے اس نے وسوسہ ڈالا) کیونکہ یہ دونوں حضرات جنت سے باہر بھی آیا کرتے تھے۔"

اغوائے شیطان کی وضاحت

علامہ بغوی نے یہ بھی فرمایا: — وَقَدْ كَانَ آدَمُ لَمَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ لَوْ اَنَّ خُلْدًا۔ فَلَمَّا دَخَلَ الشَّيْطَانُ الْجَنَّةَ وَقَفَ بَيْنَ آدَمَ وَحَوَّاءَ وَهُمَا لَا يَعْلَمَانِ اَنَّهُ اِبْلِيْسُ فَبَكٰى وَنَاحَ بِنِيَاحَةٍ اَحْزَنَتْهُمَا وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ نَاحَ۔ فَقَالَا مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اَبْكِيْ عَلَيْكُمَا تَمُوْتَانِ فَتُفَارِقَانِ مَا اَنْتُمَا فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ فَوَقَعَ ذٰلِكَ فِيْ اَنْفُسِهِمَا وَاغْتَمَّا فَقَالَ اِبْلِيْسُ هَلْ اَدُلُّكَ

عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ فَاَبیٰ اَنْ یَّقْبَلَ مِنْہُ فَقَاسَمَہُمَا بِاللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النَّاصِحِیْنَ۔ فَاغْتَرَّا وَمَا ظَنَّا اَنَّ اَحَدًا یَّحْلِفُ بِاللّٰہِ کَاذِبًا۔ فَبَادَرَتْ حَوَّاءُ اِلٰی اَکْلِ الشَّجَرَۃِ ثُمَّ نَاوَلَتْ آدَمَ حَتّٰی اَکَلَہَا۔

(مظہری) حضرت آدم علیہ السلام جب داخل جنت ہوئے تو فرمایا کاش یہاں ہمیشہ رہنا ہوتا۔ پھر جب شیطان بھی جنت میں آن پہنچا تو حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے درمیان ٹھہر گیا اور یہ دونوں حضرات جانتے تک نہ تھے کہ یہ ابلیس لعین ہے۔ اور نوحہ کر کر کے اتنا رویا کہ یہ دونوں حضرات بھی اس سے متاثر ہوگئے۔ (خوبیاں بیان کر کر کے رونا ابلیس ہی کی ایجاد ہے) اسی نے سب سے پہلے نوحہ کیا۔ ان حضرات نے اس سے دریافت کیا کہ کیوں اتنا رو رہا ہے؟ اس نے کہا میں آپ دونوں کے لئے ہی رو رہا ہوں۔ تم دونوں مرجائیں گے تو اس وقت جن نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو یہ سب جاتا رہے گا۔ یہ بات ان کے ذہن نشین ہوگئی اور اس پر مغموم رہنے۔ (یہ دیکھ کر کہ داؤ چل گیا) ابلیس نے کہا کیا آپ کو وہ درخت بتادوں جس کے کھانے سے قیام ودوام حاصل رہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی بات ماننے سے انکار فرمادیا۔ اس پر لعین نے اللہ کی قسم کھا کر کہا۔ بخدا! میں آپ دونوں کا سچا ہی خواہ ہوں۔ اس پر ان دونوں حضرات کو دھوکہ ہوگیا ان کو گمان تک نہ گزرا کہ

کوئی اللہ پاک کا نام لے کر جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت حواء علیہا السلام نے سبقت کر کے اس شجرہ ممنوعہ کو کھا لیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی دیا۔ چنانچہ آپ نے بھی تناول فرما لیا۔"

مضمون بالا کی تائید | اس کی تائید روایت ذیل سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے:۔ لَمَّا قَالَ اللّٰہُ لِاٰدَمَ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ اَرَادَ اِبْلِیْسُ اَنْ یَّدْخُلَ عَلَیْہِمَا الْجَنَّۃَ فَاَتَی الْحَیَّۃَ وَھِیَ دَابَّۃٌ لَھَا اَرْبَعُ قَوَائِمَ کَاَنَّھَا الْبَعِیْرُ وَھِیَ کَاَحْسَنِ الدَّوَابِّ فَکَلَّمَھَا اَنْ تُدْخِلَہٗ فِیْ فَمِھَا حَتّٰی تَدْخُلَ بِہٖ اِلٰی اٰدَمَ فَاَدْخَلَتْہُ فِیْ فَمِھَا فَمَرَّتِ الْحَیَّۃُ عَلَی الْخَزَنَۃِ فَدَخَلَتْ وَلَا یَعْلَمُوْنَ لِمَا اَرَادَ اللّٰہُ مِنَ الْاَمْرِ فَکَلَّمَہٗ مِنْ فَمِھَا فَلَمْ یُبَالِ بِکَلَامِہٖ فَخَرَجَ اِلَیْہِ فَقَالَ یَا اٰدَمُ ھَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی وَحَلَفَ لَھُمَا بِاللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ فَاَبٰی اٰدَمُ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْھَا فَقَعَدَتْ حَوَّآءُ فَاَکَلَتْ ثُمَّ قَالَتْ یَا اٰدَمُ کُلْ فَاِنِّیْ قَدْ اَکَلْتُ فَلَمْ یَضُرَّنِیْ فَلَمَّا اَکَلَ بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفَانِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جب

آدم علیہ السلام سے ارشاد الٰہی ہوا کہ تم اور تمہاری بی بی دونوں جنت میں رہا کرو تو ابلیس
نے چاہا کہ جنت میں ان دونوں کے پاس آئے۔ پھر (اس نے تدبیر یہ کی کہ) سانپ کے
پاس آیا وہ اس وقت اونٹ کی طرح چار پاؤں والا نہایت خوبصورت جانور تھا۔
ابلیس اس سے ہم کلام ہوا کہ اپنے منہ میں ابلیس کو بٹھا کر آدم علیہ السلام کے پاس لے جائے۔
اس نے اس بات کو مان لیا۔ چنانچہ جب سانپ اس کو لے کر گزرا تو جنت کے خازنوں
کو معلوم تک نہ تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا منشائے اقدس اس امر میں کیا تھا؟ پھر
ابلیس نے سانپ کے منہ بیٹھے بیٹھے وہیں سے حضرت آدم علیہ السلام سے ہم کلام ہونا چاہا
مگر آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ پھر وہ اس کے منہ سے باہر نکل آیا اور کہا آدم! کیا میں
آپ کو شجرۂ خلد بتاؤں جس کے کھانے سے آپ کو دوام حاصل ہو اور بوسیدہ نہ ہونیوالا
ملک نصیب ہو۔ اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے سامنے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ
میں آپ دونوں کا یقیناً خیر خواہ ہوں۔ اس پر بھی حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت
کے کھانے سے انکار ہی فرمایا۔ مگر حضرت حوا علیہا السلام بہک گئیں اور اس درخت
کو چکھ لیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں کہ آپ بھی کھا لیجئے۔ کیونکہ اس سے
مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا (ان کے کہنے پر) جب آپ نے تناول فرمایا تو (دونوں کا
جنتی لباس سلب ہو گیا اور) ہر ایک کی شرمگاہ (جو اب تک مستور تھی) ظاہر ہو گئی۔

اور دونوں (مارے شرم کے) اشجار جنت کے پتوں سے خود کو ڈھکنے لگے۔"

حضرت آدم کا جنت سے بلا جھجک نکال دیا جانا

حضرت اُبی بن کعبؓ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ آدَمَ کَانَ رَجُلًا طُوَالًا کَاَنَّهٗ نَخْلَةٌ سَحُوْقٌ سِتِّيْنَ ذِرَاعًا كَثِيْرَ شَعْرِ الرَّاْسِ فَلَمَّا رَكِبَ الْخَطِيْئَةَ بَدَتْ لَهٗ عَوْرَتُهٗ وَكَانَ لَا يَرَاهَا قَبْلَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا فِى الْجَنَّةِ فَتَعَلَّقَتْ بِهٖ شَجَرَةٌ فَاَخَذَتْ بِنَاصِيَتِهٖ فَقَالَ لَهَا اَرْسِلِيْنِىْ قَالَتْ لَسْتُ بِمُرْسِلَتِكَ وَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا آدَمُ اَمِنِّىْ تَفِرُّ قَالَ يَا رَبِّ اسْتَحْيَيْتُكَ قَالَ يَا آدَمُ اُخْرُجْ مِنْ جِوَارِىْ فَبِعِزَّتِىْ لَا اُسَاكِنُ مَنْ عَصَانِىْ وَلَوْ خَلَقْتُ مِلْأَ الْاَرْضِ مِثْلَكَ خَلْقًا ثُمَّ عَصَوْنِىْ لَاَسْكَنْتُهُمْ دَارَ الْعَاصِيْنَ قَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ اَنَا تُبْتُ وَرَجَعْتُ اَتَتُوْبُ عَلَىَّ قَالَ نَعَمْ يَا آدَمُ۔

(ابن اسحاق، ابن سعد، امام احمد، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ، بیہقی) حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت شخص تھے گویا کہ وہ کھجور کی پیڑ ہیں، ساٹھ ہاتھ لانبے۔ سر کے بال گھنے۔ جب وہ ایک غلطی کے مرتکب ہوئے تو ان کی شرمگاہ جو پہلے سے دکھائی نہ دیتی تھی۔ دکھائی دینے لگی۔ اب آپ جنت میں (ادھر ادھر)

بھاگنے لگے اتنے میں آپ جنت کے ایک درخت سے الجھ گئے۔ اس نے آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لئے۔ آپ نے درخت سے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا نہیں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ ایسے میں رب العزت جل جلالہٗ نے ندا فرمائی کہ آدم! کیا مجھ سے بھاگ جانا چاہتے ہو؟ عرض کیا بارالٰہا! مجھے آپ سے شرم دامنگیر ہے۔ ارشاد ہوا آدم! ہمارے پڑوس سے نکل جاؤ ہماری عزت وجلال کی قسم ہے کہ ہم کو اپنے نافرمان کے ساتھ رہنا پسند نہیں۔ فرض کرو اگر ہم آپ کی طرح زمین بھر مخلوق بھی پیدا کرتے اور وہ ہماری نافرمانی کرتی تو ہم ان کو نافرمانوں کے گھر میں ہی رکھتے

حضرت آدم نے عرض کیا۔ بتائیے اگر میں توبہ کر لوں اور اپنی خطا سے رجوع کر جاؤں تو کیا آپ میری توبہ قبول فرمائیں گے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں اے آدم! (ضرور تمھاری توبہ قبول کرلیں گے" بلکہ ہر تائب کی توبہ قبول کرنے تیار ہیں)"

حضرت آدم کی غلطی ایک بھول تھی

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام شجرہ ممنوعہ کے پاس جاتے کبھی تیار نہ تھے۔ جب ابلیس لعین نے خدا کی قسم کھا کر کہا تو آپ کو خیال گزرا کہ اللہ کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دیکر کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اس طرح آپ اس کے فریب میں آگئے۔ ادھر حضرت حوا علیہا السلام نے شجرہ ممنوعہ کو کھا کر یہ کہا کُلْ یَا آدَمُ فَاِنِّیْ قَدْ اَکَلْتُ فَلَمْ یَضُرَّنِیْ آدم!

آپ بھی کھا لیجیے۔ چنانچہ میں نے بھی کھا لیا ہے اور اس سے مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا تو آپ مروت میں آ گئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد باری ہوا ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ آدم اس ممانعت کو بھول گئے ہم نے ان میں (غلطی کے ارتکاب کا) عزم بالجزم نہیں پایا"

اھبطوا کی تفسیر | وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ اور ہم نے کہا کہ تم سب (جنت کے بلند و برتر مقام سے نیچے کی جانب اتر جاؤ درحالیکہ تمہارے بعض بعض کے دشمن ہوں گے" مفسرین کرام اھبطوا صیغہ جمع کی تفسیر میں (فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف آدم و حوا علیہما السلام کو نہیں ہوا بلکہ ان دو حضرات کے ساتھ ابلیس لعین اور سانپ کو بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔۔ آدَمُ وَحَوَّاءُ وَاِبْلِيْسُ وَالْحَيَّةُ۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم) آدم و حوا اور ابلیس و سانپ" ان چاروں کو جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے:۔۔ اِنَّ اَوَّلَ مَا اَهْبَطَ اللّٰهُ آدَمَ اِلَى اَرْضِ الْهِنْدِ وَفِي لَفْظٍ بِدَجْنَاءَ اَرْضٍ بِالْهِنْدِ۔ (ابن جریر ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے زمین کے جس حصہ پر اتارا وہ سرزمین ہند تھی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ ہندستان کی

دجناء نامی زمین پر اتارا۔" حضرت ابن عباسؓ ہی کی ایک روایت میں یہ تفصیل ہے:

اُهْبِطَ آدَمُ بِالْهِنْدِ وَحَوَّاءُ بِجُدَّةَ فَجَاءَ فِي طَلَبِهَا حَتّٰى أَتٰى جَمْعًا فَازْدَلَفَتْ إِلَيْهِ حَوَّاءُ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتِ الْمُزْدَلِفَةُ وَاجْتَمَعَا بِجَمْعٍ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ جَمْعًا۔ (ابن سعد، ابن عساکر) حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اور حضرت حواء علیہا السلام جدہ میں اتارے گئے۔ پھر حضرت آدم حضرت حواء کی تلاش میں نکلے تا آنکہ مقام جمع میں تشریف لائے تو حضرت حواء علیہا السلام آپ کے قریب آ گئیں اسی وجہ سے اس مقام کا نام ہی مزدلفہ پڑ گیا اور مقام جمع میں دونوں کا اجتماع ہوا اور اسی وجہ سے اس جگہ کو جمع کے نام سے موسوم کیا گیا ہے" اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس سے پہلے جبل عرفات کے پاس انھوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی وجہ سے اس مقام کو عرفات کہتے ہیں۔ حجاج بیت اللہ شریف جدہ سے مکہ مکرمہ کو آتے ہیں تو ہر سال آٹھویں ذیحجہ کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کو آتے اور ۹ ذیحجہ کو آفتاب بلند ہونے کے بعد عرفات کی طرف کوچ کرتے اور دن بھر وہاں ٹھہر کر مزدلفہ پہنچکر مغرب و عشا ادا کرتے اور مقام جمع پر رات گزارتے پھر صبحدم یہاں سے بعد نماز فجر نکل کر منیٰ واپس آتے ہیں۔

ابلیس اور بی بی بچوں کی دشمنی	حضرت آدم و حواؑ کا ایک دوسرے کے

دشمن ہونا سورۂ تغابن کی اس آیہ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ۔ "اے ایمان والو! یقین جانو کہ تمھاری بعض بی بیاں اور تمھاری اولاد ہی تمھاری دشمن ہے لہٰذا تم ان سے پرہیز رہو۔"

اسی طرح شیطان کی نسبت ارشاد ہے: اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ "یقین جانو کہ شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔" یہ بھی ارشاد ہے: اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔ "یقیناً شیطان تمھارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اس کو دشمن بنائے رکھو۔"

سانپ کا دشمنِ انساں ہونا اسی طرح سانپ کا انسان کے حق میں دشمن ہونا بھی بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ جبھی تو ہر شخص اس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ الْحَیَّاتِ فَقَالَ خُلِقَتْ ھِیَ وَالْاِنْسَانُ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا عَدُوٌّ لِصَاحِبِہٖ اِنْ رَآھَا اَفْزَعَتْہُ وَاِنْ لَدَغَتْہُ اَوْجَعَتْہُ فَاقْتُلُوْھَا حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھَا۔ (ابن جریر) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سانپوں کو مار ڈالنے کا سبب دریافت کیا گیا۔ فرمایا کہ سانپ بھی انسان کے ساتھ اس طرح پیدا

کیا گیا ہے کہ ہر ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ اگر انسان اس کو دیکھ لے تو وہ اس کو گھبرا دیتا اور پریشان کر دیتا ہے اور اگر سانپ نے انسان کو ڈس لیا تو اس کو درد مند کر دیتا ہے (اور بسا اوقات اس کو مار ڈالتا ہے) لہٰذا تم بھی اسکو جہاں پاؤ مار ڈالا کرو۔"

عورتوں کے باب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

عورتوں کو نیکی کی ترغیب دیا کرے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ مِنَ الضِّلَعِ رَاْسُہٗ وَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ وَاِنْ تَرَکْتَہٗ تَرَکْتَہٗ وَفِیْہِ عِوَجٌ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا۔ (بخاری، مسلم) عورتوں کو بھلائی کرنے کی تاکید کرتے رہو کیونکہ عورت (ٹیڑھی) پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ حصہ جو ٹیڑھا ہے وہ اس کا سرا ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤگے تو اس کو توڑ دوگے۔ اور اگر اس کو (اسی حالت میں ٹیڑھا) چھوڑ دوگے تو اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ ہی گزارا ہوگا۔ لہٰذا عورتوں کو بھلائی کی تاکید کرتے رہو۔"

حضرت حواء اور خدیجہ کا فرق

حضرت عبدالرحمٰن بن ہاشم فرماتے ہیں: ۔ اِنَّ آدَمَ ذَکَرَ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا فُضِّلَ بِہٖ عَلَیَّ ابْنِیْ صَاحِبُ الْبَعِیْرِ اِنَّ زَوْجَتَہٗ کَانَتْ عَوْنًا لَّہٗ عَلٰی دِیْنِہٖ وَکَانَتْ زَوْجَتِیْ عَوْنًا لِّیْ عَلَی الْخَطِیْئَۃِ ۔ (ابن عساکر) حضرت آدم علیہ السلام نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح ذکر خیر فرمایا کہ مجھ پر سب سے زیادہ فضیلت جن کو عطا ہوئی وہ میرے ایک فرزند ہیں شتر سوار ۔ ان کی بی بی دین کے بارے میں ان کی مددگار بنی رہیں ۔ اور میری زوجہ غلطی کرنے میں میری مددگار ثابت ہوئیں " یہ حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اشارہ ہے ۔

امہات المومنین اور حضرت حواء کا امتیاز

حضرت ابن عمرؓ کی ایک مرفوع روایت اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ۔ فُضِّلْتُ عَلٰی آدَمَ بِخَصْلَتَیْنِ کَانَ شَیْطَانِیْ کَافِرًا فَاَعَانَنِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ حَتّٰی اَسْلَمَ وَکُنَّ اَزْوَاجِیْ عَوْنًا لِّیْ وَکَانَ شَیْطَانُ آدَمَ کَافِرًا وَزَوْجَتُہٗ عَوْنًا لَّہٗ عَلٰی خَطِیْئَتِہٖ ۔ (بیہقی، خطیب، دیلمی، ابن عساکر) مجھے دو خصوصیات کے ذریعہ آدم علیہ السلام پر فضیلت دی گئی ۔ ایک یہ کہ میرا شیطان (ہمزاد) کافر تھا پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ

اس کے مقابلے میں میری مدد فرماتا رہا تا آنکہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (اور میرا تابع فرمان بنا رہا) اور میری تمام بی بیاں میری مددگار بنی رہیں۔ اور آدم علیہ السلام کا شیطان کافر تھا۔ (ہمیشہ وہ کافر ہی بنا رہا) اور آدم علیہ السلام کی بی بی غلطی میں ان کی مددگار ثابت ہوئیں۔" اس سے تمام امہات المؤمنین مراد ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مباحثہ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوْسٰی فَحَجَّ آدَمُ مُوْسٰی فَقَالَ مُوْسٰی اَنْتَ آدَمُ الَّذِیْ اَغْوَیْتَ النَّاسَ وَ اَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ فَقَالَ لَهٗ آدَمُ اَنْتَ مُوْسَی الَّذِیْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ كُلَّ شَیْئٍ وَّاصْطَفَاهُ بِرِسَالَتِهٖ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَلُوْمُنِیْ عَلٰی اَمْرٍ قُدِّرَ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، آجری، بیہقی) حضرت آدم و موسیٰ علیٰ نبینا و علیہما السلام میں باہم مباحثہ ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام بحث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ہی آدم ہیں جو لوگوں کے اغوا کا باعث ہو کر ان کو جنت سے باہر نکال لائے؟ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا۔ آپ ہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ہر چیز عطا فرمائی اور جن کو اپنی رسالت سے سرافراز فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اقرار کیا کہ ہاں میں وہی ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا پھر آپ کیا مجھے ایسی بات پر قابل ملامت قرار دیتے ہیں جو میری آفرینش سے پیشتر میری تقدیر میں لکھی جا چکی تھی؟"

اسی مضمون کی احادیث شریفہ حضرات ابوسعید خدری، امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب، جندب بجلی، ابوموسی اشعری، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے باختلاف الفاظ مروی ہیں جو عبد بن حمید، ابن مردویہ، ابوداؤد، آجری، نسائی، ابویعلیٰ، طبرانی، ابوبکر شافعی، ابن النجار کی کتب احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

ولکم فی الارض مستقر کی تفسیر

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ اور تمہارے لئے زمین میں قرارگاہ اور ایک وقت مقرر تک (وہاں کی چیزوں کو) برتنا اور ان سے نفع اٹھانا ہے" حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش ہی خلافت ارضی کے لئے عمل میں آئی تھی۔ گویا آپ کو خلیفۃ اللہ بنا کر ان کے دار الخلافہ پر بھیج دیا گیا۔ اور ابلیس لعین، مردود و مطرود ہو کر زمین پر پٹک دیا گیا۔ حضرت رجاء بن ابی سلمہ فرماتے ہیں:۔ اُهْبِطَ آدَمُ يَدَاهُ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ مُطَأْطِئًا رَأْسَهٗ وَاُهْبِطَ اِبْلِيْسُ مُشَبِّكًا بَيْنَ اَصَابِعِهٖ رَافِعًا رَأْسَهٗ اِلَى السَّمَآءِ۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو آپ کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے ہوئے اور (کمال تواضع و انکسار کے ساتھ) اپنا سر جھکائے ہوئے تھے (قریب قریب بحالت

رکوع تشریف لائے) اور ابلیس اس حالت میں پھینک دیا گیا کہ وہ اپنی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا ہوا تھا (جیسے انگلیاں چٹخانے کے وقت ڈالی جاتی ہیں) اور اپنا سر (تکبر و غرور کے ساتھ) آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت حمید بن ہلال فرماتے ہیں:۔ اِنَّمَا کُرِہَ التَّخَصُّرُ فِی الصَّلٰوۃِ لِاَنَّ اِبْلِیْسَ اُھْبِطَ مُتَخَصِّرًا۔ (ابن ابی شیبہ) نماز میں کمر پہ ہاتھ دھر کر کھڑے ہونا اسی لئے مکروہ قرار دیا گیا کہ ابلیس کمر پہ ہاتھ دھرا ہوا اتارا گیا۔ (جو تکبر اور غرور کی علامت ہے اور احادیث شریفہ میں اس کو دوزخیوں کا قیام بتلایا گیا ہے)۔ آسمان سے زمین تک مسافت زیادہ ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ابلیس کبھی انگلیاں چٹخانے کی ہیئت میں اور کبھی کمر پہ ہاتھ دھرا زمین پر آیا ہو۔

دنیا کے میوے اور جنتی میووں میں فرق

حضرت ابو موسی اشعریؓ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا اَخْرَجَ آدَمَ مِنَ الْجَنَّۃِ زَوَّدَہٗ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَعَلَّمَہٗ صَنْعَۃَ کُلِّ شَیْئٍ فَثِمَارُکُمْ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ غَیْرَ اَنَّ ھٰذِہٖ تَتَغَیَّرُ وَتِلْکَ لَا تَتَغَیَّرُ (بزار ابن ابی حاتم، طبرانی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا تو جنت کے کچھ پھل اور میوے توشہ کے طور پر ساتھ کر دیئے۔ اور ان کو ہر قسم کی صنعت

کاریگری کی تعلیم دی۔ اب تمہارے یہ پھل اور میوے جنت ہی سے آئے ہوئے ہیں فرق اس قدر ہے کہ ان میں تغیر آتا ہے یعنی ان کا رنگ و بو اور ذائقہ بدلتا ہے اور وہاں کے میوے متغیر نہیں ہونے پاتے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔ اُهْبِطَ آدَمُ بِثَلَاثِيْنَ صِنْفًا مِنْ فَاكِهَةِ الْجَنَّةِ مِنْهَا يُؤْكَلُ دَاخِلُهُ وَخَارِجُهُ وَمِنْهَا مَا يُؤْكَلُ دَاخِلُهُ وَيُطْرَحُ خَارِجُهُ۔ وَمِنْهَا مَا يُؤْكَلُ خَارِجُهُ وَيُطْرَحُ دَاخِلُهُ" (ابن ابی حاتم) حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کے تیس قسم کے میوے اتارے گئے (غالباً اس لئے کہ روزانہ ایک ایک میوہ تناول فرماتے رہیں تو ایک مہینہ گزر جائے اور کوئی تکلیف بھوک و پیاس نہ پہنچے۔) بعض تو وہ ہیں جن کا اندرونی اور بیرونی ہر ایک حصہ کھایا جاتا ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کا اندرونی حصہ کھانے میں آتا ہے اور بیرونی پوست پھینک دیا جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا بیرونی حصہ کھایا جاتا اور اندرونی گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔"

حضرت آدم و حواء کی تن پوشی

حضرت آدم و حواء علیہما السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو آپ کو سینکڑوں ہزاروں کام کرنے پڑے مختلف النوع تمام صنعتیں سیکھنی پڑیں جیسا کہ اوپر گزرا حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ۔ هَبَطَ آدَمُ وَحَوَّاءُ عُرْيَانَيْنِ جَمِيْعًا عَلَيْهِمَا وَرَقُ الْجَنَّةِ فَأَصَابَهُ الْحَرُّ حَتّٰى قَعَدَ يَبْكِي وَ

يَقُوْلُ لَهَا يَا حَوَّآءُ قَدْ آذَانِيَ الْحَرُّ فَجَاءَ جِبْرِيْلُ بِقُطْنٍ وَّ اَمَرَهَا اَنْ تَغْزِلَ وَعَلَّمَهَا وَ عَلَّمَ آدَمَ وَ اَمَرَ آدَمَ بِالْحِيَاكَةِ وَعَلَّمَهُ۔ (ابن عساکر)

آدم و حوا علیہما السلام دونوں جنت سے برہنہ تن اترے ان پر جنت کے پتے (لپٹے ہوئے) تھے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو گرمی لگ گئی جس سے وہ روتے ہوئے بیٹھ گئے اور اپنی بی بی سے فرمایا۔ حوا! مجھے گرمی نے تکلیف پہنچائی۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام روئی لے کر آئے۔ اور حضرت حوا علیہ السلام سے فرمائش کی کہ اس کو کات کر تاگہ بنائیں۔ اور ان کو کاتنے کی تعلیم دی۔ آدم علیہ السلام سے بھی یہی فرمائش کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو کپڑا بننے کے لئے کہا اور اس کی تعلیم دی"۔ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں:۔ لَمَّا اَهْبَطَ اللّٰهُ آدَمَ اَهْبَطَ بِاَشْيَاءَ ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالضَّأْنِ وَالْمَعْزِ۔ (ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب (زمین پر) اتار دیا تو ان کے ساتھ آٹھ جوڑے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری کے اتارے گئے (تاکہ نسل بڑھے اور ان کے دودھ، گوشت، صوف اور کھال سے آدم علیہ السلام اور آپ کی نسل مستفید ہوتی رہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ فَلَمَّا رَاٰى اللّٰهُ عُرْىَ آدَمَ وَحَوَّآءَ اَمَرَهُ اَنْ يَّذْبَحَ كَبْشًا مِنَ الضَّأْنِ مِنَ الثَّمَانِيَةِ الْاَزْوَاجِ الَّتِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْجَنَّةِ فَاَخَذَ آدَمُ كَبْشًا وَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ

اَخَذَ صُوْقَۃَ فَغَزَ لَتْہُ حَوَّآءُ وَنَسَجَہٗ ھُوَ فَنَسَجَ آدَمُ جُبَّۃً لِنَفْسِہٖ وَجَعَلَ لِحَوَّآءَ دِرْعًا وَّخِمَارًا فَلَبِسَاہُ ۔ (ابن سعد) جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی برہنگی ملاحظہ فرمائی تو ان کو ایک دنبہ ذبح کرنے کا حکم دیا' ان آٹھ جوڑوں میں سے جو جنت سے اتارے گئے تھے ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک دنبہ لے کر اس کو ذبح کر دیا پھر اس کا صوف لیا تو حضرت حوا علیہا السلام نے اس کو کاتا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو بُنا اور اس سے اپنے لئے ایک جُبّہ اور اور حضرت حوا علیہا السلام کے لئے ایک کرتا اور اوڑھنی تیار کی پھر اس کو ان دونوں نے پہن لیا' جس سے ان کی تن پوشی ہوئی اور برہنگی دفع ہوئی ۔

حضرت انبیاء علیہم السلام کا ذریعہ معاش

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا :۔ کَانَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَرَّاثًا وَکَانَ اِدْرِیْسُ خَیَّاطًا وَکَانَ نُوْحٌ نَجَّارًا وَکَانَ ھُوْدٌ تَاجِرًا وَکَانَ اِبْرَاھِیْمُ رَاعِیًا وَکَانَ دَاوُدُ زَرَّادًا وَکَانَ سُلَیْمَانُ خَوَّاصًا وَکَانَ مُوْسٰی اَجِیْرًا وَکَانَ عِیْسٰی سَیَّاحًا وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شُجَاعًا جُعِلَ رِزْقُہٗ تَحْتَ رُمْحِہٖ ۔ (ابن عساکر) حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے' اور حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (بکریاں) چراتے تھے

اور حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہونے کے باوجود (لوہے کی) زرہیں تیار کرتے تھے (جنگی لباس جو لڑائیوں کے موقع پر پہنا جاتا ہے) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (روئے زمین کے شہنشاہ اعظم ہونے کے باوجود) ٹوکریاں بناتے (اور ان کو فروخت کرکے اپنے اذوقہ کا انتظام فرماتے تھے بیت المال سے کچھ نہ لیتے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مزدوری کیا کرتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیاحت فرمایا کرتے' اور حضور اقدس محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہادر سپاہی تھے جن کا اذوقہ آپ کے نیزے کے سایہ میں رکھا گیا تھا"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذریعہ معاش

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریشی صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ اس سے خوش ہو کر ارشاد ہوا: ۔ اِرْمُوْا یَابَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا ۔ اے فرزندان اسماعیل! تیر چلائے جاؤ کیونکہ تمہارے باپ (حضرت اسماعیل علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام تیر انداز تھے" نشانہ اندازی تیر و کمان کے ذریعہ ہو یا بندوق وغیرہ کے ذریعہ اس کو بھی ضرور سیکھنا چاہئے تاکہ شکار وغیرہ کے سلسلہ میں کام آئے۔ شکار بھی ذریعہ معاش ہو سکتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذریعہ معاش شکار تھا۔ یہ تمام انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام نبوت و رسالت کے جلیل القدر عہدوں

اور مناصب عالیہ پر فائز رہنے کے باوصف مذکورہ پیشوں کو اختیار کرکے اپنی اور اپنے متعلقین کی معیشت کا انتظام فرماتے اور نبوت و رسالت کے اہم ترین فرائض خالصاً لوجہ اللہ انجام دیا کرتے اور صاف و صریح طور پر اپنی قوم میں اعلان فرماتے۔ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔اور میں تم سے کوئی صلہ یا معاوضہ (تبلیغ دین و احکام الٰہی کی اشاعت کا) نہیں مانگتا میرا اجر کسی کے ذمہ نہیں صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جو تمام عالمین کا پالن ہار ہے"

قوم سے خطاب آج تمام مسلمان فکر معیشت میں لگے ہوئے ہیں۔ روز و شب روزگار کی فکر دامنگیر ہے لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں کو کوئی نہ کوئی پیشہ زراعت ہو یا تجارت، صنعت و حرفت ہو یا سپہ گری اختیار کرنی چاہئے۔ کوئی پیشہ ذلیل نہیں۔ حضرات انبیا و رسل علی نبینا علیہم الصلاۃ والسلام کی پاک زندگیوں سے سبق حاصل کیا جا سکتا اور ان کی حیات طیبہ کو مشعل راہ بنا کر حلال طریقہ سے باعزت روزی حاصل کی جا سکتی ہے جن کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ فَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ پر عمل کیا جائے یعنی رزق تقسیم شدہ ہے لہذا جمیل طریقہ سے اس کو طلب کرنا چاہئے۔ جس قدر مقسوم میں ہے مل کر رہے گا۔ اکتساب رزق سنت انبیاء ہے ان کی مبارک سنتوں میں سے کسی ایک سنت پر عمل کیا جائے تو رزق بھی حاصل ہو گا اور اتباع

سنت کا اجر بھی ملے گا ۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

حضرت آدم کے لئے آلات صنعت

حضرت ابن عباس رضؓ نے یہ بھی فرمایا ۔ ثُمَّ اُنْزِلَ عَلَیْہِ بَعْدُ السِّنْدَانُ وَالْکَلْبَتَۃُ وَ الْمِطْرَقَۃُ فَنَظَرَ آدَمُ حِیْنَ اُھْبِطَ عَلَی الْجَبَلِ اِلٰی قَضِیْبٍ مِّنْ حَدِیْدٍ نَابِتٍ عَلَی الْجَبَلِ فَقَالَ ھٰذَا مِنْ ھٰذَا فَجَعَلَ یَکْسِرُ اَشْجَارًا قَدْ عَتُقَتْ وَیَبِسَتْ بِالْمِطْرَقَۃِ ثُمَّ اَوْقَدَ عَلٰی ذٰلِکَ الْقَضِیْبِ حَتّٰی ذَابَ فَکَانَ اَوَّلُ شَیْءٍ ضَرَبَ مِنْہُ مُدْیَۃً فَکَانَ یَعْمَلُ بِھَا ۔ (ابن سعید) پھر حضرت آدم علیہ السلام پر اس کے بعد اہرن ملپیٹ اور اکوڑی اور دو ہتوڑیاں اتاری گئیں ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام جس وقت پہاڑ پر اتارے گئے تو آپ نے پہاڑ پر لوہے کی ایک سلاخ اُگی ہوئی دیکھی اور فرمایا کہ یہ بھی اسی پہاڑ کی جنس سے ہے ۔ پھر آپ پرانے سوکھے درختوں کو ہتوڑی سے توڑنے لگے پھر لکڑیوں میں اس آہنی سلاخ کو رکھ کر آگ سلگانا شروع کی یہاں تک کہ وہ سلاخ پگھل گئی ۔ پھر آپ نے اس سے ایک چھری تیار کرکے اس سے کام لینے لگے ۔"

آلات زراعت کی فراہمی

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں ، لَمَّا اَھْبَطَ اللّٰہُ آدَمَ اَھْبَطَہٗ بِاَشْیَاءَ ثَمَانِیَۃِ اَزْوَاجٍ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ

وَالضَّأْنِ وَالْمَعْزِ وَاَهْبَطَهٗ بِبَاسِنَةٍ فِیْمَا یُبْذَرُ وَتَعْرِیْشَةُ عِنَبَةٍ وَرِیْحَانَةٍ وَالْبَاسِنَةُ قِیْلَ اِنَّهَا آلَاتُ الصُّنَّاعِ وَقِیْلَ هِیَ سِکَّةُ الْحَرْثِ وَلَیْسَ بِعَرَبِیٍّ مَحْضٍ۔ (ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو اتارا تو آپ کے ساتھ کئی چیزیں اتاریں۔ آٹھ مویشی نر و مادہ اونٹ، بیل، بکرے اور بھیڑ اتارے۔ اور آپ کے ساتھ باسن اتارا جس میں (ہر قسم کے) بیج تھے اور انگور کا پودا اور ریحان اگانے والا اتارا۔ ”باسن“ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ صنعت و کاریگری کے آلات مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ سامان زراعت ہے۔ یہ لفظ خالص عربی زبان کا نہیں ہے۔“

---

1 الفاتحة
2 البقرة